بیاد

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

الحق

ماھنامہ

رجب ۱۴۲۱ھ / اکتوبر ۲۰۰۰ء

مدیر مسئول

مولانا سمیع الحق

علماء خطباء طلباء اور عام مسلمانوں کیلئے عظیم الشان

☆ خوشخبری ☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا **عبدالحق** رحمہ اللہ کے خطبات وافادات کا عظیم الشان مجموعہ علم وحکمت

دعواتِ حق

(مکمل دو جلدوں میں)

مُرتبہ مولانا **سمیع الحق** مدظلہ، مہتمم دارالعلوم حقانیہ

نایاب ہونے کے بعد اب سہ بارہ شائع ہوگئی ہے۔ آج ہی حاصل کیجئے۔ ورنہ اس کی نایابی پر ایک بار پھر افسوس کرنا پڑے گا۔

دعواتِ حق ایک ایسا گنجینہ جسے اہل علم خطباً واعظین اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور قومی و ملی پریس نے سراہا۔ جو ہر خطیب واعظ مقرر کیلئے پکی پکائی روٹی کا کام دیتا ہے جو رشد و ہدایت احسان وسلوک کے متلاشیوں کے لئے شیخ کامل کا کام دیتا ہے۔

دعواتِ حق دین وشریعت اخلاق و معاشرت علم و عمل عروج وزوال نبوت ورسالت شریعت وطریقت کے ہر ہر پہلو کو سمیٹے ہوئے ہے۔

دعواتِ حق شیخ الحدیث محدث ومجاہد کبیر مولانا **عبدالحق** رحمہ اللہ کی عام فہم اور درد وسوز میں ڈوبی ہوئی گفتگو اور خطبات کا ایسا مجموعہ ہے جو دلوں میں اتر کر یقین کو بیدار کر کے اصلاحی وایمانی انقلاب برپا کر دیتا ہے۔

فضلاء علماً، طلباً اور اہل مدارس کیلئے خاص رعایت ہوگی

صفحات جلد اول: ۶۷۲، قیمت ۲۱۰ روپے، صفحات جلد دوم: ۵۰۲، قیمت ۱۶۵ روپے

مئوتمر المصنفین، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ۳۶
شمارہ ۱

رجب ۱۴۲۱ھ

اکتوبر 2000ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر	نگران	مدیر اعلیٰ
حافظ راشد الحق سمیع حقانی	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: ارض مقدس میں یہودی مظالم اور عالم اسلام و پاکستان کا کردار .... مولانا محمد ابراہیم فانی ۲

اسلامی نظام اور مواخات' ایک عملی نظریہ .... مولانا محمد امجد تھانوی ۷

سرسید کا نظریہ قومیت اور مولوی عبدالحق .... جناب ضیاء الدین لاہوری ۱۴

ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں .... مولانا مطیع اللہ حقانی ۱۹

نئی صدی میں ہماری ترجیحات .... ڈاکٹر سید عبدالباری ۳۰

فلسطین کی آزادی کے جاں گسل تقاضے اور حماس کی جدوجہد کے بارہ سال .... راجہ ذاکر خان ۳۵

حوا کی بیٹیاں اور ازدواجی دہشت گردی .... ملک عبدالصمد شاہد ۴۰

غزل فارسی .... مولانا محمد ابراہیم فانی ۴۳

خوشحال خان خٹک (بحیثیت ایک سپاہی ایک شاعر) .... کرنل (ر) محمد اعظم ۴۴

بیجنگ + ۵ کانفرنس تاریخ و مقاصد .... ڈاکٹر محمد سفیر ۵۲

تعارف و تبصرہ کتب .... م-ا-ف ۶۱

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: (0923) 630340-630435

ای میل ایڈریس: Email : haqqania@hotmail.com

سالانہ بدل اشتراک۔ اندرون ملک فی پرچہ -/15 روپے سالانہ -/150 روپے بیرون ملک $20 امریکی ڈالر

پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' منظور عام پریس پشاور

Baber Hanif Computer Composites

نقش آغاز

مولانا محمد ابراہیم فانی

ارض مقدس میں یہودی مظالم
اور عالم اسلام وپاکستان کا کردار

خون دل و جگر سے ہے سرمایہ حیات
فطرت لہو ترنگ سے غافل نہ جلترنگ

آہ! انبیاء کی سرزمین ارض مقدس ومسجد اقصیٰ گنبد صخرہ اور ارض فلسطین یہودی اور صیہونی درندوں کے ہاتھوں لہورنگ ہے اور ہر طرف ظلم وبربریت کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہے۔ ان سطور کے لکھتے وقت اب تک ۱۵۰ سے زائد نہتے فلسطینی جام شہادت نوش کرچکے ہیں۔ جبکہ چار ہزار کے لگ بھگ فلسطینی بچے، جوان عورتیں اور بوڑھے زخموں سے چور موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ لیکن صیہونیوں اور اسرائیل کی اس ننگی جارحیت پر عالمی ضمیر خاموش ہے اور اس پر طرہ یہ کہ امریکہ کی یہودی نژاد صیہونی وزیر خارجہ میڈلین البرائٹ کا یہ فرمانا کہ اسرائیل مظلوم ہے ایک ایسا نشتر ہے جس کے زخم کا اندمال شاید ممکن ہو سکے مگر مقام حسرت اور عرق انفعال کے دریا میں ڈوب مرنے کا موقعہ ہے کہ عالم اسلام کے حکمران اب بھی محوِ خواب خرگوش ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے جو یہودی سفاکیت محوِ رقص ہے اس پر بھی ان کا ضمیر بیدار نہیں ہو رہا جس پر ہر مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے۔ آج ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ مسلمان تابکے اسی طرح رسوائی وادبار کے قعر مذلت میں رہیں گے اور کب تک دنیا میں خون مسلم کی ارزانی ہوگی اور یہ زمین معصوموں کے لہو سے کس وقت تک لالہ رنگ رہے گی یہ ایسے سوالات ہیں۔ جو کہ عالم اسلام کے حکمرانوں کے ضمیر پر دستک دے رہے ہیں۔ بلاشبہ آج تمام عالم اسلام بیدار ہو چکا ہے۔ اس کے نوجوانوں کے سینوں میں جہادی روح کا جذبہ موجزن ہے اور دنیائے اسلام کے چپے چپے سے صدائے الجہاد الجہاد بلند ہو رہی ہے۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
جگر کی آگ دبی ہے مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرمیدان مگر جھکی تو نہیں

اور امر واقعہ بھی یہ ہے کہ ظالموں' غاصبوں اور ان صیہونی لٹیروں وعیسائی درندوں سے نمٹنے کے لئے یہی ایک کارآمد طریقہ علاج ہے۔ان شاء اللہ اس کے نتائج فلسطین 'القدس 'کشمیر 'بوسنیا اور چیچنیا کی آزادی کی صورت میں بہت جلد عالم پر آشکارا ہو جائیں گے۔ آج ہر مسلمان نوجوان اس بات کا متمنی ہے کہ راہ خدا میں شہادت کا ارفع واعلیٰ مقام حاصل کرے۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے
اے شہید دین و ملت تیرے جذبے کے نثار
تیری قربانی کا چرچا غیر کی محفل میں ہے

فلسطین میں موجودہ جاری اسرائیلی بربریت اور صیہونی سفاکیت نے فلسطینی نوجوانوں کو بالخصوص اور عالم اسلام کے دیگر عوام میں جہاد کا ایسا ولولہ تازہ پیدا کیا ہے اور حالات نے ایسی مثبت کروٹ لی ہے کہ عالم اسلام کے حکمران اور ارباب اقتدار اگر امریکی آقاؤں اور مغربی استعمار کے آہنی شکنجے کو توڑ کر اور اپنے گلے سے غلامی کا طوق اتار پھینک کر اسرائیل اور کفر کے خلاف علَمِ جہاد بلند کریں تو ان کی پشت پر سربکف مجاہدین اور غازیان بت شکن کی ایک ایسی فوج ظفر موج اور لشکر جرار رواں دواں ہو گا جس کی قوت وجبروت اور طاقت وسطوت کے سامنے ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ایٹم بم ونیپام بم اور سائنس وٹیکنالوجی کے بل بوتے پر نازاں سامراجی استعماری طاقتیں خس وخاشاک کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جائیں گی۔ اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا ایک زمانہ پھر معترف ہو جائے گا۔

ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

کیوں بزم دل و جاں میں ہلچل ہے خدا جانے
یاد آگئے پھر شاید بھولے ہوئے افسانے

دیوانے گزر جائیں گے ہر منزل غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا

الحمدللہ عالم اسلام مادی وسائل کے اعتبار سے بھی خود کفیل ہے اور افرادی طاقت کے لحاظ سے بھی مکمل۔ آج ہمارے ہی مادی وسائل سے مغرب آباد ہے اگر عالم عرب کے حکمران و سلاطین امریکہ برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک کے بینکوں سے اپنا سرمایہ باہر نکالیں اور اسی طرح تیل کو بطور ہتھیار استعمال کریں جس

طرح کہ زعیم اسلام شاہ فیصل نے کیا تھا تو ایک مہینے کے اندر اندر ان کے غبارے سے ہوا نکل جائیگی۔ اور یہی سامراجی طاقتیں اور استعماری ممالک مسلمانوں کے قدموں جبیں رسوائی رگڑیں گے۔ ؎

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھتے ہیں گر رہا ہے کس کی جھولی میں فرنگ

بلا شبہ یہ فیصلہ انتہائی سخت اور یہ مرحلہ بہت ہی کٹھن ہے لیکن ایسے انقلاب برپا کرنے کیلئے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس قسم کے گراں سلسلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں لیلائے مقصود ہاتھ آجاتی ہے۔

جس قدر تھکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں قدم
اعتبار قرب منزل اور بڑھتا جائے ہے

اور اگر اسی کے برعکس ہمارے حکمران مغرب کی شاطرانہ چالوں اور عیارانہ مکر و فریب میں آکر ان کے بتائے ہوئے فارمولوں پر عمل پیرا رہیں تو ذلت ورسوائی کا عفریت ان کے ساتھ چمٹا رہے گا۔ ؎

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشین ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے نہ صرف دشمن کے عیارانہ چالوں کا ادراک کیا تھا بلکہ اس کے خلاف ایمانی جذبے سے سرشار ہو کر اپنی کم تعدادی کی پروا کئے بغیر میدان میں کود پڑے۔ اور چشم فلک نے یہ نظارہ دیکھا کہ کامیابی اور کامرانی نے ان کے قدم چوم لئے۔ ؎

عشق کی اک جست نے طے کردیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں نے

تاریخ کے اوراق پریشان میں جب ہم غازی اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی فتح بیت المقدس وارض فلسطین پر نظر کرتے ہیں۔ جب آپ نے ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس فتح کیا۔ اس وقت تمام دنیائے مسیحیت جس کی شہ پر عالم کفر بھی تھا۔ آپ کے خلاف صف آراء تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں بھی عبداللہ بن ابی کے جانشین سازشی عناصر گھس آئے تھے جو کہ ہر اس موقعہ کی تاک میں تھے کہ کسی طرح سلطان ایوبی کو شکست دے سکیں۔ مگر سلطان ایوبیؒ اور آپ کے باوفا سربکف مجاہدین کے سامنے نہ سازشیوں کی ریشہ

دوانیاں کام آسکیں اور نہ دشمن کا لشکر اور فوج ظفر موج۔ مگر بد قسمتی سے مسلمانوں کی آپس کی نااتفاقی اور عیش پرستی نے ہمیں وہ منحوس دن بھی دکھایا۔ جب بیت المقدس پنجہ یہود میں چلا گیا اور آج نصف صدی گزرنے کو ہے لیکن عرب وعجم کے لالہ زاروں سے نہ کوئی فاروق اٹھا اور نہ صلاح الدین ایوبی۔ ؎

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی آنکھیں اسی مرد غازی کی راہ دیکھتے دیکھتے تھک گئیں۔ تاکہ اس کو ان ناپاک درندوں کے تسلط سے آزاد کرائے۔ مگر آہ...... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اگر ہم اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل کے بل بوتے پر مسئلہ فلسطین کے حل کا انتظار کریں تو یہ عالم اسلام کی عظیم غلطی ہوگی کیونکہ اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل "کن لوگوں" کے تحفظ کے لئے قائم ہے۔ ان دونوں اداروں کا دوہرا معیار اور پیمانہ انصاف کی حقیقت دنیا پر روز روشن کی طرح واضح ہے۔ عالم اسلام کے لئے اس نے کیا کردار ادا کیا ہے اس کی حیثیت تو امریکہ بہادر کی لونڈی جیسی ہے اس کے سیکرٹری جنرل کا جو رول ہے وہ بھی سب پر عیاں ہے 'اسرائیل کے خلاف کتنی قرار دادیں آئیں۔ لیکن اقوام متحدہ ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل درآمد نہ کرا سکی۔ سلامتی کونسل میں بھی اگر اسرائیل کے خلاف قرارداد مذمت پیش کی گئی تو امریکی ویٹو پاور اس کے لئے دیوار اور سد سکندری ثابت ہوئی۔ کشمیر کے بارے میں کتنی قرار دادیں منظور ہوئیں لیکن پچاس سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا مگر مسئلہ کشمیر جوں کا توں ہے اور دور تک قافلہ صبح کے آثار نہیں کے مصداق مستقبل قریب میں اس کے حل کی کوئی امید نہیں۔ اس کے برعکس عراق کا اقوام متحدہ کے ہاتھوں کیا حشر ہوا۔ اس کی فوجی اور دفاعی قوت تہس نہس کر دی گئی ۹۱ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک ۲۵ لاکھ سے زائد عراقی بچے اقوام متحدہ کی پابندیوں کی وجہ سے لقمہ اجل بنے۔ اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کے لبوں پر مہر سکوت ہے ایک عظیم اسلامی ملک انڈونیشیا میں عیسائی ریاست عمل میں لائی گئی اور مشرقی تیمور کا علاقہ انڈونیشیا سے علیحدہ کر دیا گیا۔ الغرض اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کفری طاقتوں کے ہاتھ کی چھڑی ہے اور ان ممالک کے مفادات کے لئے سائبان۔ لہٰذا ان سے یہ توقع رکھنا کہ یہ مسئلہ مجلس اقوام متحدہ حل کرے گی ریگستان میں مچھلی ڈھونڈنے کے مترادف ہے۔

رہا او آئی سی اور اسلامی کانفرنس کا کردار تو اس کی حیثیت کاغذی شیر کی بھی نہیں۔ اس میں اتنی جرأت نہیں کہ کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ اسی طرح مذاکرات کی بھول بھلیوں میں الجھ کر ان مسائل کا حل ڈھونڈنا وقت کا ضیاع اور دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں۔ ماضی قریب کے مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے

کہ انھوں نے ہمیشہ مذاکرات کی میز پر بازی ہاری ہے۔

ان حالات کے تناظر میں ہمارے ملک پاکستان کا کیا کردار ہونا چاہیے اور ملکی حکمرانوں کو کیا حکمت عملی وضع کرنا چاہیے۔ تو اس بارے میں ہماری رائے کے مطابق پاکستان ایک بہت ہی اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکتا ہے اسلئے کہ پاکستان عالم اسلام میں واحد ایٹمی قوت ہونے کے ناطے ایک ایسے مقام پر کھڑا ہے جہاں سے کوئی بھی عالمی ادارہ یا ملک اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اسلئے اب پاکستان کو آگے آنا چاہیے تاکہ فطری طور پر جو قائدانہ کردار پاکستان کی جھولی میں آیا ہے وہ کردار ادا کرے اور بلا کسی خوف لومۃ لائم کے عالمی طاقتوں استعماری قوتوں اور سامراجی اداروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دو ٹوک انداز میں بات کرے کیونکہ مسئلہ فلسطین صرف فلسطینیوں کا نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کا مسئلہ ہے اسی طرح اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے دشمنوں اور اعداء اسلام کے خلاف صف آراء ہو کر ان سے اگلے پچھلے حسابات بے باق کر دیں۔ ان شاء اللہ یہ گھاٹے کا سودا نہ ہوگا۔

تو نے دیکھا سطوتِ رفتار دریا کا عروج
موج مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ

کیا عجب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسی مہینہ رجب میں بیت المقدس کو آزاد کرایا تھا اب یہی مہینہ پھر آیا ہے یہ بیت المقدس کی آزادی کی تمہید ہو۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور ان کے خاندان کو صدمہ

مورخہ ۲۱ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ العزیز کی ہمشیرہ محترمہ کا انتقال ہوا۔ مرحومہ کافی عرصہ سے دل کے مرض میں مبتلا تھیں۔ بالآخر بروز جمعرات بعد از نماز عصر وقت موعود آپہنچا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ مرحومہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے رشتہ دار جناب خلیل الرحمان صاحب کے عقد میں تھیں۔ آپ کے دو بیٹے حافظ ہدایت الرحمان صاحب اور دوسرے جناب سعید احمد صاحب ہیں ان میں حافظ ہدایت الرحمان صاحب حضرت شیخ الحدیثؒ کے داماد ہیں۔ نماز جنازہ میں بغیر کسی پیشگی اطلاع کے علماء و طلباء اور علاقے کے کثیر افراد نے شرکت کی۔ نماز جنازہ حضرت مولانا قاضی انوار الدین صاحب مدظلہ نے پڑھائی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ کریم مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور غم زدہ خاندان اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے فون پر یا بذریعہ اخبارات اور گھر پر آکر تعزیت کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا ہے۔

مولانا محمد امجد تھانوی *

اسلامی نظام اور مواخات......ایک عملی نظریہ

مغربی مصنفوں نے سلطنت اور نظامِ سلطنت پر جو کتابیں ترتیب دی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ معلومات کارخ دنیابھر کے نظام ہائے حکومت کی طرف ہے مگر معمولی غور وفکر کے بعد ہی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر مصنف تنگ نظری کے ساتھ ایک بہت ہی محدود دائرہ میں خامہ فرسائی کر رہا ہے اور اس کا مقصد صرف یونان وروما کے قوانین کی تعریف وتوصیف کے بعد موجودہ یورپ کے نظر فریب قوانین اور ضابطوں کی تشریح وترتیب ہے۔ حالانکہ یورپ کے بہت سے مستشرقین مختلف انداز میں اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ عصر حاضر کی علمی، صنعتی، فنی، سیاسی اور اجتماعی تنظیمات اسلامی دور کے اجتماعی عوامل کا ناگزیر نتیجہ ہیں۔ اس میں کچھ کوتاہی ہماری بھی ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ہم نے کوئی اسلام کا تفصیلی نظام حکومت مرتب نہیں کیا۔ مسلمانوں نے سالہاسال سے اجتماعی میدان کو دوسری طاقتوں کے ہاتھوں میں چھوڑ رکھا ہے۔ علمی دائرہ میں الٰہیات کی درس وتدریس ہمارا اصل نصب العین تھا اس کیلئے ہم نے قابل تعریف کوشش کی لیکن ہمارے افکار واعمال کی جولانگاہ میں اجتماعیات کو وہ درجہ حاصل نہ ہو سکا جس کا وہ محتاج تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جب ہمارے اجتماعی اقتدار کے عالمگیر اختیارات ختم ہو گئے اور بیرونی دباؤ زیادہ ہو گیا تو ہمارے کچھ علماء کو مذہب اور سیاست کے درمیان مصنوعی فرق پیدا کرنے کیلئے اپنے مجبور و معذور ہاتھوں سے خط کھینچنا پڑا۔ اس کے نتیجہ میں اسلام کا نظام حکومت اور اس کے متعدد بنیادی امور ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو کر قصہ پارینہ بن گئے جن میں سے ایک نظام مواخات ہے۔ اس اہم پہلو سے روگردانی کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے عصبیتوں کے عفریت کی شکل میں جلوہ گر ہو رہا ہے اس سے محفوظ رہنے کیلئے اب بھی وقت ہے کہ ہم اسلام کے نظام اخوت کو اپنے اندر جاری کریں۔

اخوت کی اہمیت :

اخوت کی اہمیت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

---

* ریسرچ اسکالر کلیہ معارف الاسلامیہ کراچی یونیورسٹی۔ کراچی

"واعتصمو بحبل اللہ جمیعاً ولاتفرقوا ..... لعلکم تھتدون" (۱)

ترجمہ: سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو کہ جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمھارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے۔ شاید کہ ان علامتوں سے تمھیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔ سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"انما المومنون اخوۃ فاصلحوابین اخویکم واتقوااللہ لعلکم ترحمون" (۲)

ترجمہ: بے شک مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائیگا۔

مواخات عملی مظاہرہ:

مواخات مادی ماحول میں ایک رہنما تجربہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ذریعہ اسلام کی نرمی اور لچک کی ایک مثال قائم کی اور اسے دلوں کی تالیف اور احساسات و جذبات کو سنوارنے کا ایک ذریعہ بنایا۔ اس کے ذریعے مہاجرین کی مالی اور معاشرتی تعلقات کی تنظیم کی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے اخوت کو ایک حقیقی ذمہ داری کے طور پر پیش کیا جو انصار و مہاجرین کے درمیان قائم تمام تعلقات پر حاوی تھیں۔

یہ قبائلی عصبیت اور قابل نفریں انانیت سے سچی اخوت اور پر خلوص محبت کی طرف ایک جست تھی۔ اسلام سے قبل عربوں میں گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون کرنا ان کے نزدیک نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں تعاون کرنے سے زیادہ موزوں اور قابل ترجیح تھا۔ اس لئے ہر شخص اپنے قبیلے کا پیرو ہوتا تھا خواہ صحیح راستہ پر ہو یا غلط راستے پر۔ دلوں میں بیٹھی ہوئی غلاظت اور عصبیت کے درمیان اسلام نے تمام اہل ایمان کو بھائی بھائی قرار دے دیا۔ اور سرور کائنات ﷺ کو اس نئے معاشرے کی عمارت میں بنیاد کے پتھر کی حیثیت دی ہے۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ:

"نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں ہجرت سے قبل مسلمانوں کے درمیان حق اور ہمدردی کی بنیاد پر مواخات کرائی چنانچہ آپ نے حمزہؓ اور زید بن حارثہؓ، ابو بکرؓ اور عمرؓ، عثمانؓ بن عفانؓ اور عبدالرحمان بن عوفؓ، زبیر بن العوامؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ، عبیدہ بن الحارثؓ اور بلال حبشیؓ، مصعب بن عمیرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہ بن جراحؓ اور سالمؓ مولی ابو حذیفہ، سعید بن زیدؓ اور طلحہ بن عبید اللہؓ اور اپنے کو علی ابن ابی طالبؓ کو بھائی بھائی قرار دیا" (۳)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے:

"ابن عبدالبر نے فرمایا کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مہاجرین کے درمیان مکہ میں ہوئی اور دوسری مرتبہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ہوئی۔

اسلام کے ماننے والوں کے درمیان ایک رابطے کی حیثیت سے اسلامی اخوت کا آغاز مکی عہد سے ہو گیا تھا۔ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو ان کا عالم یہ تھا کہ وہ مکہ میں اپنے اہل و عیال، دوست واحباب، مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے اور ان کے تعلقات اپنے رشتہ داروں سے کٹ گئے تھے جس سے ان کے دلوں میں تنہائی، وحشت اور اشتیاق وطن کے احساسات پیدا ہو رہے تھے۔ سہیلی نے لکھا ہے کہ :

"صحابہ کرامؓ جب مکہ سے مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان مواخات کرائی تاکہ ان کے دلوں سے وطن سے دور ہونے کی وحشت ختم ہو اور اہل و عیال اور رشتہ داروں سے کٹ جانے کے نتیجے میں ان کے دل جو اچاٹ ہو گئے ہیں مانوس ہو جائیں اور باہم ایک دوسرے کی مدد کریں"۔ (۴)

ابن ھشام کی روایت ہے کہ :

"رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کرائی اور دو دو صحابہ بھائی بھائی بن گئے۔ پھر آپؐ نے علی بن ابی طالبؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ اور علی بن ابی طالبؓ بھائی بھائی بن گئے۔ اسی طرح عم رسول حمزہؓ ابن عبدالمطلب اور زید بن حارثہؓ بھائی بھائی بن گئے۔ جعفر بن ابی طالب اور قبیلہ بنو مسلمہ کے صحابی معاذ بن جبلؓ بھائی بھائی بن گئے (۵)۔ آپ ہی کی روایت کے مطابق درج ذیل صحابہؓ کے درمیان بھی مواخات ہوئی۔

ابوبکر بن ابی قحافہؓ	خارجہ بن زہیرؓ
عمر بن الخطابؓ	عتبان بن مالکؓ
ابوعبیدہ بن الجراحؓ	سعد بن معاذؓ
عبدالرحمان بن عوفؓ	سعد بن الربیعؓ
زبیر بن العوام	سلاسہ بن سلامہ وقسؓ
طلحہ بن عبیداللہ	کعب بن مالکؓ
سعد بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ
مصعب بن عمیرؓ	ابوایوب خالد بن زیدؓ
ابوحذیفہ بن عتبہ	عباد بن بشرؓ
عمار بن یاسر	حذیفہ بن الیمانؓ

ابوذر غفاریؓ 　 منذر بن عمروؓ (۶)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ :

"عبدالرحمان بن عوفؓ ہجرت کر کے مدینے آئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیعؓ کے درمیان مواخات کرا دی۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ میرا نصف مال تم لے لو اور میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک کو طلاق دے کر میں تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل وعیال میں برکت عطا فرمائے تم مجھے بازار کا راستہ بتا دو۔ انہیں پنیر اور گھی میں کچھ منافع ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے کپڑوں پر زردی کے آثار دیکھے تو دریافت فرمایا عبدالرحمٰنؓ یہ کیا ہے ؟ عرض کیا : اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا مہر میں کیا دیا؟ عرض کیا ایک گٹھلی کے برابر سونا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی کا" (۷)

یہ مدرسہ اخوت کا اولین عملی مظاہرہ تھا۔ حضرت سعدؓ کی عالی ظرفی اور عبدالرحمٰن کی شرافت وبلند خیالی دونوں برابر درجہ رکھتی ہیں۔ حضرت سعدؓ کے مقابلے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کی خودداری، حسن اخلاق اور اپنے بھائی کیلئے عدم استحصال کی عظمت کسی طرح کم نہیں تھی وہ ایک ماہر تاجر تھے چنانچہ نئی زندگی میں بھی انہوں نے اپنا راستہ نکال لیا اور تھوڑی ہی مدت میں وہ شادی کرنے اور ایک گٹھلی کے برابر سونا ادا کرنے پر قادر ہو گئے۔ بعد میں ان کی تجارت میں خوب برکت ہوئی اور ان کے پاس اتنی دولت ہو گئی کہ وہ مسلمانوں کے صاحب ثروت لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ روز بروز بدلتے ہوئے معاشرے کی تشکیل میں اسلامی اخوت کے متعدد عملی مظاہر ہیں جن سے طرز عمل، ذمہ داریوں اور اخلاق واطوار کا تعین ہوتا ہے۔ عملی اعتبار سے اسلامی اخوت میں تین چیزیں شامل ہیں۔ تعاون، محبت وہمدردی اور ایک دوسرے پر زیادتی اور مخاصمت سے اجتناب کرنا۔

مواخات کی تنظیم و تبلیغ :

نبی اکرم ﷺ وقتاً فوقتاً ان معانی کو دلوں میں اتارتے رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا :

"ایک مومن دوسرے مومن کیلئے مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط بناتا ہے۔ یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا"۔ (۸)

ایک مرتبہ آپ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر دست سوال دراز کیا۔ آپؐ نے فرمایا سفارش کرو، تمہیں بھی اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کی زبانی جو کرنا ہے وہ تو کرے گا ہی۔ (۹)

یہ تو مسلمانوں کے باہمی تعاون کے سلسلے میں آپ کی ہدایات تھیں۔ رہا محبت ومودت کا تعلق تو اس

سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

"مسلمانوں کی مثال باہم مودت ور حمت اور الفت میں ایک جسم کی ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کا تمام جسم بیداری اور بخار کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے"۔ (۱۰)

اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ مومن کے دل میں یہ اخوت جتنی راسخ ہو جائے گی اسی قدر وہ ایمان کی حلاوت بھی محسوس کرے گا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

"تین چیزیں جس کے اندر ہوں وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا ایک یہ کہ اللہ اور رسول ﷺ اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسری یہ کہ وہ کسی سے محض اللہ کیلئے محبت کرے۔ اور تیسری یہ کہ کفر میں لوٹ جانا اسے اتنا ہی ناپسندیدہ ہو جتنا آگ میں گرنا (۱۱)

بخاری میں حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین یوم سے زیادہ عرصے تک ترک تعلق رکھے کہ دونوں اگر ملیں بھی تو منہ پھیر لیں ان سے بہتر وہ ہے جو سلام کے ذریعہ آغاز کرے" (۱۲)۔

یہ حدیث اخوت کی تنظیم کا ایک نمونہ ہے۔ بسا اوقات دو مسلمانوں کے درمیان کسی معاملے میں ناراضی کے سبب تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں لیکن یہ ترک تعلق تین دن سے زیادہ نہیں رہنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان اختلافات کو دور کرنے کا ایک مناسب طریقہ بتایا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ :

"ایک دوسرے سے مصافحہ کرو کھوٹ دور ہو جائے گا اور ایک دوسرے کو تحائف دیا کرو اس سے محبت پیدا ہو گی اور بغض و نفرت دور ہو گی" (۱۳) انصار کی اخوت اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آپ ان کے کھجوروں کے باغات کو ان کے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیں مگر آپ ﷺ نے ایسا کرنے کے بجائے یہ فرمایا کہ باغوں کی نگرانی کا کام انصار ہی کریں۔ البتہ کھجوروں میں مہاجرین کو شریک کر لیں۔ اسی طرح انصار نے اپنی ضرورت سے زائد جائیدادیں رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیں اور عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ چاہیں تو ہمارے گھر بھی لے لیں۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں کلمات خیر کہے اور مہاجر ساتھیوں کیلئے انصار کی دی ہوئی زمینوں اور دوسری ویران زمینوں میں (جو کسی کی ملکیت نہ تھیں) مکانات بنوا لے۔ اگر نیا معاشرہ زندگی اور روزی کے وسائل کے حصول میں اخوت اور عدل کی بنیاد پر قائم ہو تو اخوت کی بقاء اور اس کے نفاذ کی ضمانت کیلئے اور کیا چاہئیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ :

"مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال محفوظ سمجھیں اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے دور رہے" (۱۴)

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے عدل اجتماعی کے اصولوں کی بنیاد پر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کرائی اور اس کے نفاذ کے ذریعے دنیا کا عظیم الشان اور دلکش معاشرتی نظام قائم ہوا...... اس اخوت اور عدل کے اصول و مبادی میں مسلسل ارتقاء ہوتا رہا' یہاں تک کہ انہوں نے بعد میں لازمی شرعی احکام و قوانین کی صورت اختیار کرلی مگر ابتداء میں وہ اولین بنیاد اخوت اسلامی پر قائم ہوئے۔ متعدد آیات کریمہ میں اس اخوت کی تنظیم اور ارتقاء کی دلکش تصویر کشی کی گئی ہے اور ان مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے یہ عظیم فکر جس کا آغاز مکہ مکرمہ سے ہوا تھا گزری ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد فرمایا کہ :

"ان الذین امنو وھاجروا وجاھدوا ...... واللہ بما تعملون بصیر"(۱۵)۔

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی دراصل ایک دوسرے کے دلی ہیں رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالسلام) نہیں آگئے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔ یہ آیات اخوت کی حدود' مسلم معاشرے کے افراد کے باہمی تعلقات اور دیگر معاشروں سے اس کے تعلقات کی نوعیت کو واضح کرتی ہیں اور ان تعلقات کو منظم کرنے والے احکام بیان کرتی ہیں۔ ان سے نئے معاشرے کا مزاج آشکارا ہوتا ہے اور وہ بنیادیں اور معیارات ابھر کر سامنے آتے ہیں جن کی روشنی میں روابط استوار کئے جاسکتے ہیں اس طرح اہل ایمان تین گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ مہاجرین' انصار اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ان آیات میں پہلے مہاجرین کا ذکر کیا گیا اس لئے کہ وہی اسلام کی اصل بنیاد ہیں انہوں نے رضائے الٰہی کے لئے اپنے وطن کو خیرباد کہا۔ اس کے بعد انصار کا ذکر کیا گیا اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کی اور جان و مال کے ذریعے جہاد کیا۔ پھر مہاجرین اور انصار دونوں کے درمیان ولایت و نصرت کا تعلق قرار دیا۔ تیسرے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا کہ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت نہ کی۔ ان کیلئے فرمایا گیا کہ دین کے معاملے میں ان کی مدد تم پر واجب ہے۔ یہ اسلامی اخوت اس نئے معاشرے کی ایک قوی ترین بنیاد تھی۔ اسی لئے یہود کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اسلامی معاشرے کو اخوت سے دور کر دینے سے ہی مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار پیدا کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے انصار کے دلوں میں قدیم جنگوں کی یاد تازہ کر کے ایک دوسرے سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اپنی عیارانہ باتوں کے ذریعے زمانہ جاہلیت میں قتل ہونے والوں کا انتقام لینے کا جذبہ بھڑکا دیا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ ان کے درمیان مقام حرہ پر مسلح جھڑپ کے آثار پیدا ہوگئے۔ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف

لے گئے اور ان کے سامنے سورۃ آل عمران کی آیات تلاوت فرمائیں جن میں اہل ایمان کو اتحاد کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے فرمایا:

"میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور تم نے جاہلیت کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیئے۔ اس طرح آپ ﷺ کی بدولت زندگی معمول پر آگئی اور لوگوں نے بھائی چارہ کا عملی مظاہرہ کیا۔ باہم مصافحہ و معانقہ کیا اور جو کچھ ان سے سرزد ہو گیا تھا اس پر شرمندہ ہوئے (۱۶)۔

اس واقعہ سے نئے ارتقاء پذیر معاشرے میں بھائی چارے کی اہمیت' اس کے نفاذ میں دشواری اور اسکی ناگزیری کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اخوت کو دلوں میں جاگزیں کرنے اور اسے منظم کرنے کی طرف توجہ دی اور مواخات کا نظام قائم فرمایا۔ آج بھی ہم اس نظریہ مواخات پر عمل کرتے ہوئے امت مسلمہ کو ایک لڑی میں پرو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

﴿مراجع و مصادر﴾

(۱) قرآن ۱۰۳/۳ (قرآن: ۱۰/۲۹ (۳) الانساب الاشراف۔ البلاذری (دار المعارف مصر طبع اول ۱۹۵۹ء) ج ۱/ص ۲۷۰ (۴) تفسیر المنار۔ رشید رضا (مطبوعہ بیروت) ج ۱/ص ۱۰۶۔ (۵) الروض الانف۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ (سہیلی) مطبع الجمالیہ مصر ۱۳۳۲ھ ج ۲/ص ۲۵۲ (۶) السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام (المکتبہ السلفیۃ لاہور ۱۳۷۵ھ) ج ۱/ص ۸۸ (۷) صحیح البخاری۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (مترجمان قاری محمد عادل خان اور قاری محمد فاضل قریشی مکتبہ۔ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور طبع دوم ۱۹۷۹ء باب کیف اخی لنبی بین اصحاب ص ۸۸' عہد نبوی کا مدنی معاشرہ۔ (۸) صحیح بخاری کتاب الصلوۃ' ص ۴۵ (۹) صحیح بخاری باب تعاون المومنین (۱۰) صحیح مسلم۔ امام مسلم بن حجاج (مترجم مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی قرآن محل کراچی) باب تراحم المومنین' ص ۱۳۹۔ (۱۱) صحیح البخاری۔ باب الایمان' ص ۱۲۔ (۱۲) صحیح البخاری' ج ۴/ص ۶۲ (۱۳) موطا امام مالک۔ امام مالک بن انسؒ (المکتبۃ الرحیمیۃ دیوبند) باب ماجاء حسن الخلق' ص ۲۵۳ (۱۴) (ایضاً (۱۵) قرآن: ۷۲/۸ (۱۶) تفسیر ابن کثیر' ج ۱/ص ۲۸۹

﴿مضامین نگار حضرات سے درخواست﴾

براہ کرم اپنے گراں قدر مضامین کاغذ کے ایک طرف لکھ کر بھیجیں۔ کھلا کھلا اور خوشخط کر کے لکھیں۔ فوٹو کاپی ہرگز نہ بھجوائیں۔ حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔ (ادارہ)

ضیاء الدین لاہوری

سر سید کا نظریہ قومیت اور مولوی عبدالحق رح

قیام پاکستان کے بعد جب علی گڑھ کے تعلیم یافتہ طبقے نے ایک منصوبے کے تحت شعبہ نوکر شاہی پر اقتدار جمالیا تو ڈاکٹر مولوی عبدالحقؒ کی سربراہی میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے بانی سر سید کے بت کو نئے سرے سے قومی پس منظر کی روشنی میں تراشنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس کی ابتداء غیر محسوس طور پر سر سید کو دو قومی نظریے کا خالق قرار دینے سے ہوئی۔ اس خود ساختہ مفروضے کو اس شدت اور چالاکی کے ساتھ فروغ دیا گیا کہ بڑے بڑے دانشور اس کا شکار ہو گئے اور ملک کے اکثر قلم کاروں، اساتذہ اور صحافیوں نے آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لیا۔ یہ فکر تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے نئی نسل کو اس طرح منتقل کی گئی کہ انکے اذہان تسخیر کر لئے یہاں تک کہ اس امر پر یقین کا ایک معیار قرار پایا۔ اس مقصد کے لئے اول مولوی عبدالحق نے ذہنی دھلائی کا بڑا ہنر مندانہ انداز اختیار کیا۔ ایک مضمون میں وہ اس ہنر مندی کا آغاز ان فقرات سے کرتے ہیں :

> "سر سید نے ۵۷ء کے بعد جب قومی خدمت شروع کی تو جتنے کام کئے ان میں کبھی ہندو مسلم کا امتیاز نہ کیا اور نہ کبھی اس کا خیال آیا...... ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں بارہا اس خیال کو بڑے خلوص اور پر اثر الفاظ میں بیان کیا ہے"(۱)

اس کے بعد مولوی عبدالحق سر سید کی تقریروں سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں ان میں سے صرف پہلا اور آخری اقتباس ملاحظہ ہو :

> "اے ہندو اور مسلمانو! کیا تم ہندوستان کے سوا اور ملک کے رہنے والے ہو ؟ کیا اسی زمین پر تم دونوں نہیں بستے ؟ کیا اسی زمین میں تم دفن نہیں ہوتے یا اسی زمین کے گھاٹ پر جلائے نہیں جاتے ؟ اسی پر مرتے اور اسی پر جیتے ہو تو یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو، مسلمانوں اور عیسائی بھی، جو اسی ملک میں رہتے ہیں، اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں۔ جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں، جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے، ایک ہونا چاہیے۔"(۲) "میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے قابل نہیں کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے، کیونکہ ہم اس کی کوئی بات نہیں دیکھ سکتے ہیں لیکن جو بات کہ ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم سب، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، ایک ہی سر زمین پر رہتے ہیں، ایک ہی حاکم کے زیر حکومت ہیں، ہم سب کے فائدے کے مخرج ایک ہی ہیں، ہم سب قحط کی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ یہی مختلف

وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں ان دونوں قوموں کو جو ہندوستان میں آباد ہیں' ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہوں کہ "ہندو" یعنی ہندوستان کی رہنے والی قوم۔" (۳)

ان اقتباسات کے فوراً بعد مولوی عبدالحقؒ لکھتے ہیں :

"ان اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے کس قدر حامی تھے۔ تقریر و تحریر میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے بوئے تعصب آتی ہو یا ہندوؤں کی دل آزاری کا باعث ہو.......... لیکن جب ہندوؤں کی طرف سے سرکاری دفتروں اور مدارس سے اردو کے خارج کرنے کی تحریک ہوئی تو سر سید کے دل کو بڑی ٹھیس لگی اور بہت صدمہ ہوا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ سر سید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہی دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شیکسپئر سے' جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے' میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے' آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔ میں نے کہا' اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے' آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب' جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں' بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔ میں نے کہا' مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشن گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔" (۴)

ذرا انصاف کیجئے کہ مولوی عبدالحقؒ نے متحدہ قومیت کے حق میں سر سید کے بیانات سے جو اقتباسات درج کئے ہیں وہ ان کے ۱۸۸۴ء کے دورہ پنجاب کے دوران کی گئی تقریروں سے لئے گئے ہیں اور اس کا حوالہ خود ہی پہلے اقتباس کے آخر میں بھی درج کیا ہے۔ ان اقتباسات کو پیش کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کے بعد انہوں نے "لیکن" سے جو فقرہ شروع کیا ہے اس سے قارئین کو بالواسطہ طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اردو ہندی نزاع کا واقعہ اس کے بعد پیش آیا اور اس صدمے سے سر سید نے گویا سابقہ خیالات ترک کر دیئے اس تاثر کی تخلیق کے بعد وہ یہ دور کی کوڑی لائے کہ

"ہندو مسلم نزاع یہیں سے شروع ہوتی ہے اور دو قومی نظریے کی ابتدا یہیں سے ہوئی" (۵)

انسان خطا کا پتلا ہے۔ خطا سے بچنے کی کوشش کے باوجود اس سے سہو ہو جانا ممکن ہے اور ایسی صورت میں سہو نظر انداز کی جا سکتی ہے اگر یہ مولوی عبدالحق کی سہو ہوتی تو اور بات تھی مگر وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نزاع کا مذکورہ واقعہ سر سید کی درج بالا تقریروں سے سترہ سال قبل (۱۸۶۷ء میں) پیش آیا۔ حالی کی حیات جاوید

میں' جہاں سے انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا۔ اس کا بیان ہی متذکرہ سال سے شروع ہوتا ہے۔ (۶) خود انہوں نے متعدد موقعوں پر بنارس کے اس ہندی اردو نزاع کے بیان میں ۱۸۶۷ء ہی کا ذکر کیا۔ ان کے مجموعہ خطابات کے صفحات ۱۰۵' ۱۱۲' ۱۱۱' ۱۶۲' ۱۷' ۱۸۳' ۴۱۸' ۹۳۴ اور ۵۲۰ پر باقاعدہ پورے ہندوستان میں اس سال کا حوالہ موجود ہے۔ اسی طرح اپنے مجموعہ مضامین میں انہوں نے دو مختلف مواقع کی تحریروں میں اسی سال کے ذکر کے ساتھ متذکرہ واقعہ پر بحث کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ :

"اس وقت سے محض اردو کی مخالفت کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہو گئیں اور دو قومی نظریہ کی بنیاد پڑی اور یہی دو قومی نظریہ پاکستان کی بنا کا باعث بنا۔" (۷)

جب موصوف نے سر سید کے حوالے سے ۱۸۶۷ء ہی میں دو قومی نظریے کی بنیاد ڈال دی تو پھر متحدہ قومیت کے حق میں سر سید کے ۱۸۸۴ء کے خیالات کس کھاتے میں جاتے ہیں؟ مضمون زیر بحث میں سال کا ذکر کر دینے سے قارئین کو گمراہ کرنا ممکن نہ تھا اس لئے اسے حذف کر دینا ہی مناسب خیال کیا گیا۔ اگر مولوی عبدالحق "لیکن" کے لفظ کے بعد ۱۸۸۴ سے زمانہ بعد کے اس قسم کے کسی واقعے کا حوالہ پیش کرتے تو کچھ بات بن جاتی لیکن ایسا کوئی واقعہ تخلیق کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی اس لئے الفاظ کے ہیر پھیر سے من پسند نتائج اخذ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ مولوی عبدالحق کی اس گمراہ کن تحریر سے متاثر پاکستان کے اکثر جز وقتی اور ہمہ وقتی قلم کار' جن کی معلومات کا منبع اصل ماخذ نہیں بلکہ محض سطحی اور تعریفی مضامین ہوتے ہیں 'بغیر تحقیق و تصدیق ہی ہانکے چلے جارہے ہیں کہ سر سید پہلے متحدہ قومیت کے حامی تھے مگر جب بنارس کا اردو ہندی تنازعہ پیش آیا تو انہیں دکھ ہوا اور دو قومی نظریے کی ابتدا ہوئی۔ اور نئی پود بھی اس جھوٹ کو سچ سمجھ کر اس نظریے پر عمل پیرا ہے۔ ۱۸۸۴ء کے خیالات کو ۱۸۶۷ میں ترک کر دینے کا معاملہ کچھ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں بن فلاں نے اپنی شادی سے سترہ سال قبل اپنی بیوی کو طلاق دے دی یا ایک باپ نے اپنی بیٹی کی پیدائش سے سترہ سال قبل اسے ہلاک کر ڈالا۔

یہ تو تھا اس مسئلے میں مولوی عبدالحق کی غلط بیانی کا پس منظر' اب ان کے تخلیق کردہ "تحقیقی نتیجے" پر چند تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں :

"بعض کوتاہ بینوں نے سر سید کے اردو ہندی تنازعے میں طرز عمل اور نقطہ فکر کو غلط پیش کیا ہے۔ سر سید اردو کو ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ سماجی اور لسانی جدوجہد کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اور اس سے علیحدگی کی تحریک کو اپنے متحدہ قومی نظریات کے منافی تصور کرتے تھے۔" (۸)

ڈاکٹر منور حسین اس لسانی تنازعے کے پس منظر میں متذکرہ نتیجہ اخذ کرنے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"سر سید نے ہمیشہ متحدہ قومیت کی وکالت کی' اس کے حق میں دلیلیں فراہم کیں اور اس تصور کو فروغ

دینے کے خواہش مند رہے مگر لسانی تنازعے کے آئینے میں ان کی نگاہوں نے دیکھا کہ اب یہ دونوں فرقے کبھی بھی متحد و متفق نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے پیش گوئی کی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج وسیع ہوتی جائے گی۔ اس پیشگوئی کو دعوت و تلقین سمجھنا بو العجبی اور ستم ظریفی ہے۔"(۹)

سر سید نے قیام لندن کے دوران میں نواب محسن الملک کے نام ایک مکتوب میں اردو ہندی تنازعے کا ذکر کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اسطرح "ہندو علیحدہ" "مسلمان علیحدہ ہو جائیں گے۔"(۱۰) بعض حلقے اسے تقسیم ہند کی پیش گوئی سے تعبیر کرتے تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے فاضل اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے استاد دہلی کے استاد اختر الواسع اس پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"سر سید کے اس خیال کا کہ "ہندو علیحدہ ہو جائیں گے" سہارا لے کر کچھ لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مسلمان فرقہ وارانہ سیاست کا شکار ہو گئے یا یہ سب خداوندانِ حکومت (یعنی حکومتِ برطانیہ) کی رضا اور خوشی کے لئے کیا گیا تھا' بالکل غلط ہے......افسوس تو یہ ہے کہ ہندوستانی قومیت کا تصور آج تک سر سید کے نظریہ قومیت کی سرحد کو چھو بھی نہیں سکا ہے۔"(۱۱)

بہر حال مولوی عبد الحقؒ اس واقعہ ہی کو دو قومی نظریہ کے ابتدا کہتے ہیں اور پھر اس سے یہ نتیجہ بھی نکالتے ہیں کہ :

"قصر پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اردو نے رکھی" (۱۲)

ر غالباً سر سید کی اردو کے حق میں مساعی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں :

"قصر پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی پیر مرد نے رکھی تھی۔"(۱۳)

ہر ان دونوں خیالات کو اس طرح یکجا کرتے ہیں :

"قصر پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی پیر مرد کے مبارک ہاتھوں نے رکھی اور وہ اینٹ اردو زبان تھی۔"(۱۴)

درجہ بالا فقرات کی جزئیات پر بحث سے گریز کرتے ہوئے اور تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مولوی عبد الحق کی نگاہ میں "دو قومی نظریہ" "ایک مثبت فکر تھی جس کے باعث پاکستان عالم وجود میں آیا لہذا وہ اپنی تحقیق کا سہارا لے کر اس کا کریڈٹ سر سید کو دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ دو قومی نظریے کے حق میں موصوف کے تمام خیالات اس وقت کے ہیں جب ان کے مکتبہ فکر علی گڑھ سے تعلق رکھنے والے طبقے نے ملک میں اچھی طرح پاؤں جما لئے تھے اور تعلیمی نصاب میں ان کا عمل دخل قوی ہو گیا تھا۔ اس سے قبل الگ قومیت کے نظریے کی ز و تیج کے پس منظر میں کئی برسوں پر پھیلے ہوئے ان کے چیدہ چیدہ خیالات ملاحظہ فرمائیں۔

"۱۸۵۷ء کے بعد سے رفتہ رفتہ زبان کی چھیڑ شروع ہوتی ہے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط اٹھ گیا اور انگریزی حکومت قائم ہو گئی تو اس وقت ہندوؤں کی ایک جماعت میں قومیت کا ایک نیا احساس پیدا ہوا اور اپنی

قدیم تہذیب کو پھر زندہ کرنا چاہا۔"(۱۵)

"قومیت کی تکمیل بغیر زبان کے نہیں ہو سکتی اس لئے جدید قومیت کے مدعیوں نے اردو کے خلاف جہاد شروع کیا اور اس کی بجائے ہندی کو رواج دینے کی کوشش کی۔"(۱۶)

"آل انڈیا ریڈیو کے ناظم اور اردو کے حامیوں نے منشا یہ تھا کہ خبریں ایسی سادہ اور سہل زبان میں ہونی چاہئیں جسے سب سمجھ سکیں مگر وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے اور مصر تھے کہ وہ الگ الگ زبانوں میں نشر ہونی چاہئیں۔ جس طرح ان صاحبوں نے دو قومی نظریے قائم کر کے ہندو مسلمانوں میں افتراق و نفاق پیدا کیا تھا' اسی طرح وہ دو زبانوں کو الگ الگ رواج دے کر اس نظریے کو اور مستحکم کرنا چاہتے تھے۔"(۱۷)

"ہندو مسلم اختلاف کی ابتدا سیاست سے نہیں بلکہ اردو کی مخالفت سے ہوئی...... (ہندو) مختلف صورتوں اور ترکیبوں سے اس آگ کو سلگاتے رہے اور قومی نظریئے قائم کر کے ہندو مسلم اختلاف کو بڑھاتے رہے۔ دو قومی نظریے کے بانی ہندو تھے' نہ کہ قائداعظم یا مسلم لیگ۔ یہ قائداعظم پر ہندوؤں کا بہتان ہے۔"(۱۸)

جب مولوی عبدالحقؒ دو قومی نظریے کا بانی ہندوؤں کو بتاتے ہیں' کسی مسلمان کو اسکا بانی سمجھنے کو بہتان قرار دیتے ہیں اور اسے ہندو مسلم نفاق کا باعث قرار دیتے ہیں تو یہ نظریہ ان کے الفاظ و معانی کے مفہوم سے منفی قرار پایا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ منفی قرار دیا گیا یہ نظریہ سر سید کے معاملے میں مثبت کیسے ہو گیا!

....

(حواشی)

(سر سید کا نظریہ قومیت اور مولوی عبدالحق)

۱۔	سر سید احمد خان (حالات و افکار) ص ۵۹۔۶۰۔	۲۔	ایضاً ص ۶۰	۳۔	ایضاً ص ۶۱
۴۔	ایضاً ص ۶۲۔۶۳	۵۔	ایضاً ص ۶۴	۶۔	حیات جاوید (۱) ص ۱۴۰
۷۔	سر سید احمد خان (حالات و افکار) ص ۱۶۱	۸۔	سر سید کی فکر' ص ۵۲		
۹۔	تہذیب الاخلاق علی گڑھ (مارچ اپریل ۱۹۹۸ء) ص ۶۰	۱۰۔	خطوط سر سید' ص ۸۸		
۱۱۔	جامعہ دہلی (جولائی ۱۹۹۸ء) ص ۳۳۱۔۳۳۲	۱۲۔	خطبات عبدالحق۔ ص ۴۳۹		
۱۳۔	سر سید احمد خان (حالات و افکار) ص ۱۶۲	۱۴۔	سر سید احمد خان (حالات و افکار) ص ۱۳۹		
۱۵۔	خطبات عبدالحق ص ۴۴۲	۱۶۔	خطبات عبدالحق ص ۳۷۱۔		
۱۷۔	خطبات عبدالحق۔ ص ۳۶۴	۱۸۔	ایضاً ص ۴۱۸		

(کتابیات)

(۱) سر سید احمد خان۔ حالات و افکار (مولوی عبدالحق) ۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۷۵ء۔
(۲) حیات جاوید (الطاف حسین حالی) نامی پریس کان پور (۱۹۰۱ء) (۳)۔ سر سید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے (خلیق احمد نظامی) ۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ۱۹۹۳ء (۴) تہذیب الاخلاق علی گڑھ (مارچ اپریل ۱۹۹۸)
(۵) خطوط سر سید (مرتبہ سید راس مسعود) نظامی پریس بدایوں (۱۹۲۴) (۶) جامعہ دہلی (جولائی ۱۹۹۸)
۷۔ خطبات عبدالحق (مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی)۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۵۲

مولانا مطیع اللہ حقانی *

ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں

پاکستان کو وجود میں آئے ہوئے نصف صدی سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ نصف صدی کا عرصہ کچھ مختصر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اتنی مدت میں ایک بچہ بچپن کے مراحل طے کرتا ہے جوانی کی بہار سے گزرتا ہے اور بڑھاپے کی منزل میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح اقوام کی تاریخ میں نصف صدی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اسی وجہ سے تو حفیظ جالندھری کہتے ہیں۔ ع

یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

یہ ملک کسی نے طشتری میں رکھ کر ہمیں بطور تحفہ نہیں دیا تھا، نہ انگریز سامراج نے ترنگ میں آکر ہمیں آزاد کیا تھا اس ملک کی آزادی کے لئے بے شمار مسلمانوں نے خون کا نذرانہ پیش کیا۔ سینکڑوں ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹ گئیں، ہزاروں نوجوان عورتوں کا سہاگ لٹ گیا، لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ آزادی کے بعد ملک کو ایسی مخلص قیادت میسر نہیں آئی جس نے اس ملک کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست بنانے کی کوشش کی ہو یا اس ملک کے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے بارے میں سوچا ہو اگر ہم اپنے ماضی پر نظر ڈالیں تو ہمارا ماضی "یاد ماضی عذاب ہے یارب" کا پورا مصداق ہے۔ اگر ہم دیانتدارنہ اپنے ماضی کا محاسبہ کریں تو ہماری تمام تاریخ سازشوں، بدعنوانیوں، اور کرپشن سے پر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان پچاس سالوں میں ہم نے کھویا بہت کچھ ہے اور پایا کچھ بھی نہیں۔ ہماری تاریخ کا سب سے سیاہ ورق تو سقوط ڈھاکہ کا المیہ ہے جسکے نتیجے میں ہم اپنے ملک کے نصف حصے سے محروم ہو گئے۔ اس سانحہ کے سب سے بڑے ذمہ دار اس وقت کے حکمران تھے جن کے دن رات شراب و کباب میں اور طوائفوں کے ساتھ راز و نیاز میں گزر جاتے۔ ان کو اپنی عیاشیوں سے اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ فوجی قیادت کے ساتھ بھی کچھ رابطہ قائم کرتے اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب قومیں روبہ انحطاط ہوتی ہیں تو سب سے پہلے ان کے اخلاق متاثر ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں جن سابقہ اقوام اور ان کے عبرتناک نتائج کا ذکر ہے وہ اخلاقی بے راہروی کی وجہ سے اپنے منطقی انجام کو پہنچیں الشمس اور البدر کے

---

* چیئرمین شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج پشاور

ہزاروں نوجوان شہید ہو گئے ایک لاکھ فوج کو ہزیمت اٹھانی پڑی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک سیاہ باب رقم ہو گیا۔ مگر اس سانحے کے جو اصل کردار تھے ابھی تک ان کو بے نقاب نہیں کیا گیا اس واقعہ کی تحقیقات کے لئے کمیشن بٹھایا گیا مگر جہاں تک راقم کو علم ہے ابھی تک اس کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر نہیں آئی۔ یہ ہمارے ملک کا ایک عجیب دستور ہے کہ ارباب اقتدار جس مسئلے کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے کمیشن بنا لیتے ہیں ان کی سوچ بھی ٹھیک ہے اگر چور اور غدار ایک ہو تو اسکو سکرین پر لایا جائے گا۔ لیکن جب ہر طرف چور ہی چور ہوں تو پھر کس کس کو منظر عام پر لایا جائے گا؟ مصطفیٰ زیدی نے ٹھیک کہا ہے۔ ؎

میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

آزادی ملنے کے بعد عوام اور محنت کش طبقات کو اقتدار سے دور رکھا گیا اور بڑے بڑے وڈیرے اور سرمایہ دار اقتدار پر قابض ہو گئے چونکہ اس طبقے کو ملک و قوم سے زیادہ اپنے مفادات عزیز تھے اس لئے بر سر اقتدار آکر انہوں نے نو آبادیاتی نظام اور اس کے اداروں کو باقی رکھ کر ان کے ذریعے عوام کا استحصال شروع کر دیا جب بھی عوام نے اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کی ان کو ریاستی جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ۱۹۵۶ء تک یہ ملک بغیر آئین کے چلتا رہا۔ آئین تو تب بنتا جب ملک کے بر سر اقتدار طبقہ کو اس طرف فرصت ملتی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد ہمارے سیاستدان جوڑ توڑ کرنے اور ایوان اقتدار سے چمٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت ۱۹۵۸ء میں انتخاب ہونے تھے تاکہ عوامی قیادت سامنے آسکے لیکن ایک بار پھر عوام کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا گیا اور ۱۹۵۸ء میں صدر ایوب نے مارشل لاء نافذ کیا۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک ایوب خان مرد آہن بن کر حکومت کرتا رہا۔ آخر ۱۹۶۸ء میں عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ملک کی تمام سیاسی اور مذہبی پارٹیوں نے ایوب خان کے خلاف اتحاد کر لیا۔ تمام ملک میں عوام حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ملک میں ہڑتالوں اور مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ پشاور میں منعقدہ ایک جلسے میں صدر ایوب پر گولی بھی چلائی گئی تاہم وہ اس قاتلانہ حملہ میں بچ گئے ملک میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہو گئی۔ ایوب خان تو اس عوامی ریلی کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور رخصت ہو گئے لیکن ان کی رخصتی سے ملک اور قوم کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دانشور اس تبدیلی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ایوب خان کے خلاف متحدہ قومی محاذ (جمہوری مجلس عمل) نے ۱۹۶۹ء میں تحریک چلائی مقصد یہ تھا کہ ایوب خان کا دور ختم ہو جائے اور ملک میں پارلیمانی جمہوری نظام پختہ بنیادوں پر استوار کیا جائے اور منصفانہ

انتخابات بالغ رائے دہی کے اصول پر ہوں۔ مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ اور ایک بوڑھے آمر کی بجائے جس کی قوت ارادی نسبتاً کمزور ہو چکی تھی ایک توانا آمر حکومت پر قابض ہو گیا بالکل یہی ڈرامہ ۱۹۷۷ء میں بھی دہرایا گیا۔ نو سیاسی جماعتوں پر مشتمل پی این اے (پاکستان نیشنل الائنس) معرض وجود میں آیا اس کے سامنے یہ مقصد تھا کہ حکمران پیپلز پارٹی کو انتخابات میں شکست دے کر اور عنان حکومت سنبھال کر نظام مصطفیٰ رائج کیا جائے۔ یہاں تک کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اچانک مارشل لاء لگ گیا۔ نہ انتخابات نہ نظام مصطفیٰ'' (۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا جو نظام انتخاب ہے وہ سراسر غیر اسلامی ہے۔ اس میں ایک عالم اور ایک جاہل کا ووٹ برابر ہے اور یہ بات قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے۔ هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون (۲)

اسلام کے نظام انتخاب میں ہر کس و ناکس کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں شاید بشری حقوق کی تنظیمیں اس کو انسانی حقوق کے خلاف سمجھیں گے مگر ان کو جوش کی بجائے ہوش سے کام لینا چاہیے سوچنے کی بات ہے جس ملک میں ووٹ کی قیمت دو ڈھائی سو روپے ہو جس ملک میں ووٹ کی قیمت صرف چاول کی ایک پلیٹ ہو وہیں پر انتخابات کے نتیجے میں کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی تقریباً تمام مذہبی جماعتیں اب انتخابی سیاست کی بجائے انقلابی سیاست کی بات کرنے لگی ہیں۔

روزنامہ ''آج'' ۹ ستمبر ۱۹۹۷ء میں مولانا فضل الرحمان کا یہ بیان موجود ہے کہ ہم انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لیں گے بلکہ اسلامی انقلابی طرز سیاست کا راستہ اختیار کریں گے۔ اور اسی اخبار کے پہلے صفحے پر مولانا محمد اکرم اعوان کا یہ بیان بھی ریکارڈ پر ہے کہ موجودہ انتخابی نظام غیر اسلامی اور فراڈ ہے۔ قاضی حسین احمد بھی جودہ طریق انتخاب سے نالاں ہیں۔

ڈاکٹر اسرار تو پہلے ہی سے موجود طرز انتخاب کی شدومد سے مخالفت کرتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق بھی موجودہ طریق انتخاب کو غیر اسلامی کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ طریق انتخاب کے نتیجہ میں جو بھی ٹولہ ملک پر مسلط ہو گا اسکا مقصد لوٹ مار ملک کے خزانے کو لوٹنے اور اقرباء پروری کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ آخر انتخابات کے جیتنے کے لئے اس گروہ نے جو لاکھوں روپیہ لگایا ہے اسکا کچھ Return تو ان کو ملنا چاہیے۔ ہماری سیاسی جماعتیں انتخابات جیتنے کے لئے بہت پر فریب نعرے لگاتی ہیں عوام بے چارے ان کو اپنے دکھوں کا مداوا سمجھ کر ان کی دام تزویر میں پھنستے ہیں لیکن جب یہ لوگ ایک دفعہ اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوتے ہیں تو ان کا تمام وقت پچھلی حکومت کو برا بھلا کہنے اس کی غلطیاں معلوم کرنے اور اپنی ذات کو ریاست کے لئے ناگریز ثابت کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اقتدار

سے پہلے تو وہ پریس کی آزادی کے دعوے کرتے ہیں لیکن اقتدار ملنے کے بعد وہ اپنی ذات کو معصوم عن الخطاء اور تنقید سے بالاتر سمجھتا ہے اگر کوئی اشارتاً بھی ان کی ذات میں کچھ گستاخی کرے تو پھر ان کا یہ جرم اس کے لئے ناقابل معافی بن جاتا ہے۔ عوام کی خدمت کرنے کی بجائے ان کو مختلف ٹیکسوں میں جکڑا جاتا ہے۔ جب بھی حکمران کوئی پالیسی بناتے ہیں تو اس میں اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ عوام کی بہتری کا نہیں سوچتے۔ انتخابات سے پہلے تو عوام کو روزگار دینے کے وعدے کرتے ہیں لیکن منتخب ہو جانے کے بعد ڈاؤن سائزنگ اور رائٹ سائزنگ کے نام پر ان کو بے روزگار کیا جاتا ہے۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ مہنگائی کی وجہ سے قوم کے نوجوان بوڑھے اور عورتیں خودکشی کر رہے ہیں جب کہ حکمرانوں کی عیاشی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ ہمارے اس مقروض ملک کے حکمران جب خیرات مانگنے بھی امریکہ جاتے ہیں تو لیموزین گاڑیوں سے کم کسی گاڑی میں سفر نہیں کرتے یہ ہمارے ملک کے حکمرانوں کے انداز حکمرانی بھی عجیب ہیں یہ بھی ہمارے ملک کا ایک عجیب دستور ہے کہ چند سو روپیہ بجلی کا بل ادا نہ کرنے والوں سے تو بجلی کا کنکشن کاٹ دیا جاتا ہے لیکن بڑے بڑے بجلی چور وزارت اور مشاورت کی کرسی پر بٹھائے جاتے ہیں اگر کوئی ایماندار اہل کار ایسے بڑے بڑے نادہندگان کے خلاف کاروائی کرتا ہے تو اس کو کھڈے لائن لگایا جاتا ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر ان نادہندگان سے حکومت کے بقایاجات وصول کئے جائیں تو ملک کی تمام اقتصادی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں لیکن ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جب ملک کی اہم شخصیات خود نادہندہ ہوں۔

محتسب جرم مرا دیکھ کے خاموش رہا
خود خطا کار تھا احکام سزا کیا کرتا

ایک سربراہ مملکت کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ایک عام آدمی کی بنیادی ضروریات آسانی سے پوری ہو جائیں ہر آدمی کو اس کی استعداد کے مطابق روزگار ملے اگر روزگار کے مواقع نہیں ہیں تو ہر بے روزگار کو اتنا گزارہ الاؤنس دیا جائے جس سے اس کا گزر اوقات ہو سکے۔ ایک عام آدمی اگر بیمار ہو جائے تو اس کی صحت کی ضروریات پوری ہو جائیں لیکن ہمارے ملک کے مسیحا اور ڈاکٹر تو تین چار صد روپیہ لئے بغیر ایک مریض کا معائنہ نہیں کرتے یہ تو پرائیویٹ کلینکوں کا حال ہے ہمارے ملک کے ہسپتالوں کا حال کسی سے مخفی نہیں۔ ہسپتالوں میں بے چارہ مریض شدت درد سے کراہ رہا ہے۔ بیماری کی تکلیف سے تڑپ رہا ہے۔ لیکن ڈاکٹر حضرات کو ٹیلفون کرنے سے فرصت نہیں ملتی۔ اگر کبھی ٹیلیفون کرنے سے فرصت ملتی ہے تو پھر اپنے دوستوں اور سہیلیوں سے گپ شپ لگانے کے زرین مواقع کو وہ کیوں ضائع کرے؟ اگر کوئی مرتا ہے تو مر جائے ایک دن تو اسے مرنا ہی ہے وہ کیوں خوشی کے ان قیمتی لمحات کو کسی کے لئے ضائع کرے؟

ہسپتالوں میں دوائیاں Expire ہو جاتی ہیں لیکن ان ڈاکٹروں کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ ان دوائیوں کو کسی مستحق کو دے دیں۔ ڈاکٹر حضرات بھی ٹھیک کہتے ہیں اگر مریضوں کو مفت دوائیاں مل جائیں تو ہسپتالوں کے باہر یہ بڑے بڑے میڈیکل سٹور والے کیا کریں گے؟ آخر بات کمیشن کی ہے۔

ہمارے ملک کے تعلیمی اداروں کا حال بھی کسی سے مخفی نہیں۔ سکولوں اور کالجوں میں اکثر سٹاف غیر حاضر ہوتا ہے لیکن ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں کیونکہ یہ اپنے حلقہ کے ایم این اے اور ایم پی اے کے بیٹے کو ٹیوشن پڑھاتا ہے۔ امتحانوں میں ان کو مختلف طریقوں سے پاس کروا کر ان کو میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج میں داخلہ دلواتا ہے‘ اگر کسی استاد کا متعلقہ افسر کبھی اس سے باز پرس کرتے ہیں تو اس کا تبادلہ دور دراز کے علاقوں میں کروا کر اس کی زبان کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا جاتا ہے اسکے بعد وہ بے چارہ کبھی بھی ایسے VIP لوگوں کو نہیں چھیڑتا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا

کار طفلان تمام خواہد شد

کسی قوم کی ترقی میں تعلیم کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے تعلیم کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن یہاں پر کتنے ہی ایسے بچے ہیں جو غربت کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ ایک سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کے بچوں کو تعلیم دلوانے کے تمام مواقع میسر کرے تعلیم ایک مخصوص طبقے کے لئے نہ ہو بلکہ ایک جھونپڑے میں رہنے والے کا بچہ بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکے۔

ایک سربراہ مملکت کی ذمہ داریوں کا تعین نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں کی ہے:

عن عبدالله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال الا کلکم راع و کلکم مسول عن رعیته فا لا میر الذی علی الناس راع وهو مسول عنهم والرجل راع علی اهل بیته وهو مسول عنهم والمراة داعیة علی بیت بعلها وولده وهی مسولة عنهم والعبد راع علی مال سیده وهو مسول عنه وکلکم راع وکلکم مسول عن رعیة (۳)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کا جتنا دائرہ اختیار ہے اسی حد تک اس کی ذمہ داریاں بھی ہیں اور کوئی بھی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ ایک عورت سے بھی اس کے گھر اور اولاد کے متعلق پوچھا جائے گا غرض یہ کہ اختیارات جتنے زیادہ ہونگے ذمہ داریاں اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔

خلافت کی ذمہ داریوں کا احساس تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کا باز پرس کرے گا۔ (۴)

حضرت عمرؓ نے یہ کلمات صرف رسمی طور پر نہیں کہے تھے بلکہ ان کلمات پر انہوں نے پورا عمل

کر کے ثابت بھی کیا اپنے عہد خلافت میں انہوں نے یہ نظام بنایا تھا کہ وہ مساکین کو ایک مقام پر جمع کر کے ان کو کھانے کھلاتے تھے۔ اسی نظام کے تحت انہوں نے ایک دفعہ مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے جمع کیا اسی دوران انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ عمر فاروقؓ نے اس شخص سے کہا اے بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔ اس شخص نے جواب دیا جناب میرا دایاں ہاتھ مشغول ہے کچھ وقت کے بعد عمر فاروقؓ دوبارہ اس شخص کے پاس سے گزرے وہ شخص حسب معمول بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا ۔ عمر فاروقؓ نے دوبارہ اس شخص سے کہا کہ اے بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔ اس شخص نے دوبارہ وہی جواب دیا۔ جناب میرا دایاں ہاتھ مشغول ہے۔ عمر فاروقؓ نے اس شخص سے وضاحت چاہی کہ تمہارا ہاتھ کس کام میں مشغول ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ غزوہ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ بے کار ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر کانپ اٹھے اور انہوں نے آبدیدہ ہو کر اس شخص سے کہا تمہیں وضو کون کراتا ہو گا؟ تمہارا سر کون دھوتا ہو گا؟ تمہارے کپڑے کون دھوتا ہو گا؟ اسکے بعد انہوں نے اس آدمی کے لئے ایک خادم مقرر کیا ایک سواری مقرر کی اور اس کی دیگر ضروریات کا انتظام فرمایا۔ (۵)

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارے برسر اقتدار طبقہ کو عوام کے مفاد سے کوئی غرض نہیں بلکہ ہمارے سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کی بس یہی ایک خواہش ہے کہ وہ کس طرح اقتدار کی کرسی پر براجمان ہو جائیں اس کے ساتھ ساتھ ہمارے عوام میں بھی سیاسی شعور کا فقدان ہے وہ بار بار ان لیڈروں کے ہاتھوں دھوکہ کھاتے ہیں لیکن انتخابات کے موقع پر وہی لیڈر دوبارہ چہرے بدل کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ اقتدار کے بھوکے لیڈر مختلف نعروں اور منشوروں سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔

امیر شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے کبھی بحیلہء مذہب کبھی بنام وطن

ایک روایت میں حاکم اور بادشاہ کو خدا کے سائے سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے ایسے ممالک اور قصبوں میں لوگوں کو جانے سے منع کیا گیا ہے جہاں کا کوئی بادشاہ اور حاکم نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

جب تم ایک ایسے شہر پر گزرتے ہو جہاں کا کوئی حاکم نہ ہو پس تم ایسے شہر میں داخل مت ہو جانا کیونکہ بادشاہ تو زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ (۶)

ظل اللہ ہونے کے ناطے ایک حاکم کی بے شمار ذمہ داریاں ہیں ان ذمہ داریوں کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا تھا۔

یا أبا ذر انك ضعيف و إنها أمانة وإنها يوم القيامة خزى و ندامة الا من اخذ ها

بحقها و ادى الذى عليه فيها (۷)

ایک حاکم کی سب سے بڑی ذمہ داریاں تو وہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ارشاد ہے :الذین ان مکنهم فی الارض اقاموا الصلوة واتو الذکوة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر (۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مومن ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں خلافت عطا کریں تو یہ لوگ نماز قائم کرینگے۔ زکوۃ دیں گے اچھے کاموں کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔

ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کی اہم ذمہ داریاں درج ذیل ہیں۔

(۱) امت کے سلف صالحین نے دین کا جو تصور پیش کیا ہے۔اس کی حفاظت کرے۔

(۲) جھگڑا کرنے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرے تاکہ ظالم کو ظلم کرنے کا موقع نہ ملے اور مظلوم کی حق تلفی نہ ہو۔

(۳) اپنے وطن میں امن قائم کرے تاکہ لوگ تلاش معاش کے سلسلے میں اطمینان سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو سفر کرے۔

(۴) ملک میں حدود و تعزیرات کا نظام قائم کرے۔

(۵) اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرے تاکہ بیرونی دشمن کو جارحیت کا موقع نہ ملے۔

(۶) کفار محاربین کے خلاف جہاد کا انتظام کرے۔

(۷) ملک کے مالیاتی اداروں کو دیانتدار لوگوں کے سپرد کیا جائے۔

(۸) بیت المال سے غریب لوگوں کے حقوق بغیر کمی بیشی کے ادا کئے جائیں۔

(۹) رعیت سے شرعی احکامات کے مطابق صدقات اور ٹیکسوں کی وصول کا انتظام کیا جائے۔

(۱۰) ریاستی امور سے ہر وقت اپنے آپ کو باخبر رکھا جائے۔ (۹)

حقیقت یہ ہے کہ ایک قوم کے لئے سربراہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو ایک ریوڑ کے لئے چرواہے کی ہوتی ہے جس طرح ایک چرواہا اپنے ریوڑ کی ہر ضرورت کا ذمہ دار ہوتا ہے اس طرح ایک حاکم اپنی رعیت کی ہر ضرورت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ایک حاکم کی حکومت کا سب سے بڑا مقصد اپنی رعایا کی ضروریات کا احساس کرنا اور ان کو پورا کرنا ہے حکومت کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ قومی خزانے کو شیر مادر سمجھ کر بغیر ڈکار کے ہضم کر لیا جائے۔ حکومت کرنے کا مقصد یہ بھی نہیں کہ ملک کی کلیدی آسامیوں پر اپنے لاڈلوں ، چہیتوں اور جیالوں کو بھرتی کیا جائے تمام سرکاری عہدے قومی امانت ہیں اور ان پر اہل لوگوں کو مقرر کرنا ایک حکومت کی ذمہ داری ہے۔

موجودہ دور میں تو برسر اقتدار حکومت سرکاری میڈیا کے ذریعے یہ ڈھنڈورا پیٹتی ہے کہ تمام سرکاری

عہدوں پر بھرتی میرٹ کے مطابق ہوگی مگر ہر برسر اقتدار حکومت بھرتی کے لئے وہی پالیسیاں بناتی ہے جو ان کے متعلقین اور پارٹی ورکروں کیلئے سود مند ہوں۔ اگر بعض بد قسمت حضرات ان پیمانوں پر بھی پورا نہ اتریں تو O.S.D کی آسامی کے لئے تو کسی تعلیمی قابلیت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کیلئے تو برسر اقتدار طبقہ کی مراحم خسروانہ کی ضرورت ہوتی ہے جو پہلے ہی سے ایسے لوگوں کیلئے مخصوص ہوتی ہیں۔ کسی ملک کا سربراہ تو اس ملک کا محافظ ہوتا ہے جب ملک کا سربراہ خود خائن اور چور ہو تو وہ دیگر لوگوں کو کرپشن اور چوری سے منع نہیں کر سکتا۔

فارسی کا ایک شعر ہے۔ ؎

اگر زباغ رعیت ملک خورد سیبے
برآورند غلامان درخت از بیخے

اسی وجہ سے تو عبداللہ ابن المبارک فرماتے ہیں۔

لوگوں کے پانچ درجات ہیں ان میں اول زاہد ہیں اور وہ اس امت کے بادشاہ ہیں

دوسرا درجہ عالموں کا ہے وہ انبیاء کے وارث ہیں۔

تیسرے نمبر پر حاکم ہیں ان کی حیثیت نگہبانوں کی طرح ہے۔

چوتھے درجے میں تاجر ہیں وہ زمین میں اللہ کے امین ہیں۔

پانچویں نمبر پر غازی ہیں وہ زمین میں اللہ کی تلوار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب زاہد دنیا میں رغبت کرنے لگے تو لوگ کس کی اقتداء کریں گے ؟ جب ایک عالم لالچی ہو جائے تو لوگ کس کی اقتداء کریں گے ؟ جب چرواہا اور نگہبان ظالم ہو جائے تو لوگ کس کے ہاں پناہ ڈھونڈیں گے ؟ جب تاجر خائن ہو جائے تو لوگ کس کو امین سمجھیں گے ؟ اور جب غازی ریاکار ہو جائے تو فتح کی امید کس طرح کی جا سکتی ہے۔ (۱۰)

عبداللہ ابن مبارک کے یہ الفاظ قابل غور ہیں :

واذا کان الراعی جائر فالی من یلتجی الناس .

ساغر صدیقی نے بجا کہا ہے کہ

رہبروں کے ضمیر مجرم ہیں　　ہر محافظ یہاں لٹیرا ہے
معبدوں کے چراغ گل کردو　　قلب انسان میں اندھیرا ہے

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارا ملک پاکستان قدرتی وسائل سے معمور اور معدنیات سے مالا مال ہے۔ یہاں کی زمین نہایت زرخیز ہے' یہاں پہ محنت کرنے والی افرادی قوت بافراط موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم ایک معمولی سا منصوبہ بھی اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے جب تک ورلڈ بینک اور آئی ایم

ایف سے قرضہ نہیں ملتا یہ بھی ہمارا ملک کا ایک عجیب دستور ہے کہ جب بھی ہمار کوئی نیا حکمران اقتدار سنبھالتا ہے تو وہ اس ملک کے عوام کو نئے نئے دلفریب نعروں کے ساتھ دھوکہ کرنے کی کوشش کرتا ہے ان نعروں میں سے ایک نعرہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی سے بھیک نہیں مانگیں گے لیکن ابھی ان نعروں کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی کہ ہمارا برسر اقتدار طبقہ لنگر لنگوٹ کس کر اپنے یورپی آقاؤں کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور وہاں سے ان کو جو ہدایات ملتی ہیں وہ امناو صدقنا کہہ کر ان کی تمام ہدایات کو من و عن قبول کر لیتے ہیں ان کے مغربی آقا حکومت چلانے کے لئے ان کو جو پلان دیتے ہیں ہمارے یہ بلند بانگ دعوے کرنے والے حکمران اس سے سر موانحراف نہیں کر سکتے۔　　ع　　سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

خلفائے راشدین بیت المال کو خدا اور مخلوق کی امانت سمجھتے تھے جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو اس کے دوسرے دن کندھے پر کپڑے کے تھان رکھ کر بیچنے کے لئے نکلے۔ راستے میں حضرت عمرؓ ملے انہوں نے پوچھا یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ جواب دیا اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں؟ حضرت عمرؓ نے کہا اب آپ کے سر پر مسلمانوں کی خدمت کی ذمہ داری آن پڑی ہے اس کے ساتھ آپ دوسری ذمہ داری نباہ نہیں سکتے۔ چلئے ابو عبیدہ ناظم بیت المال سے بات کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کی گئی اور ان کے لئے چار ہزار درہم سالانہ کے حساب سے وظیفہ مقرر کیا گیا۔ جب حضرت ابو بکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے ترکے میں سے آٹھ ہزار درہم بیت المال کو واپس کر دیئے جائیں۔ جب ان کی وفات کے بعد یہی مال حضرت عمرؓ کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے کہا خدا ابو بکرؓ پر رحم فرمائے انہوں نے اپنے بعد آنے والوں کو مشکلات میں ڈال دیا۔ (۱۱)

ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ان ذمہ داریوں کا تعین اس مکتوب سے ہوتا ہے جو عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمان گورنر عراق کو لکھا کہ بیت المال سے لوگوں کے عطیات ادا کر دی جائیں۔ عبدالحمید نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ میں نے لوگوں کو ان کے عطیات دیئے لیکن اس کے باوجود بیت المال میں کچھ باقی ہے اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے ان کو لکھا کہ جو لوگ مدیون ہیں انکا قرضہ بیت المال سے ادا کر دیا جائے۔

عبدالحمید بن عبدالرحمان نے عمر بن العزیز کو لکھا کہ میں نے قرض دار لوگوں کا قرض ادا کر دیا لیکن اس کے بعد بھی بیت المال میں کچھ رقم باقی ہے اسکے بعد عمر بن عبدالعزیز نے ان کو لکھا کہ جو نوجوان غیر شادی شدہ ہیں ان کی شادی کروا کے ان کا مہر بیت المال سے ادا کر دیا جائے۔ اس کے بعد بھی کچھ رقم بچی تو عمر بن عبدالعزیز نے ان کو لکھا کہ جو لوگ جزیہ ادا کرنے سے قاصر ہوں ان کو بیت المال سے قرضے دیئے جائیں۔ تاکہ وہ اپنی

ضروریات کو پورا کر سکیں۔ (۱۲)

بعض اوقات ایک اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی رہتے ہیں جن کو معاہد یا ذمی کہا جاتا ہے۔ آج کل کے دور میں ان کو اقلیتوں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسلام نے جس طرح ایک حاکم پر مسلم رعایا کے حقوق کا تعین کیا ہے وہاں پر اسلام غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق سے بھی غافل نہیں رہا۔ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں :

الا من ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيأ بغير طيب نفس نأ نا حجيبه يو م القيامة (۱۳) اسی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا۔ یا اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر ڈالے گا۔ یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں اس کے ساتھ جھگڑا کروں گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام غیر مسلموں سے خراج اور جزیہ وصول کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام یہ ہدایت ضرور دیتا ہے کہ جزیہ اور خراج کی وصولی میں ان پر سختی نہ کی جائے اور ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جو ان کی قوت برداشت سے باہر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہشام بن حکیم نے حمص کے گورنر کو دیکھا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کے جرم میں اس نے بعض لوگوں کو گرمی کے موسم میں دھوپ میں کھڑا کیا تھا۔ ہشام بن حکیم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو سزا دیتا ہے جو دنیا میں لوگوں کو سزا دیتے ہیں۔ (۱۴)

حقیقت یہی ہے کہ ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ سیاسی عدم استحکام ہے جب بھی کسی حکومت کے دو ڈھائی سال پورے ہوتے ہیں تو شکست خوردہ عناصر میدان میں کود پڑتے ہیں مختلف قسم کی سیاسی اتحادیں بنتے ہیں جن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ برسر اقتدار حکومت کو ہٹا کر خود حکومت پر قابض ہو جائیں ان حالات میں اگر کوئی برسر اقتدار حکومت عوام کی کچھ خدمت بھی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس کا موقع نہیں دیا جاتا اور اسکی ساری توانائیاں اپنی حکومت کو بچانے میں صرف ہو جاتی ہیں ایسے حالات کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے :

متى يبلغ البنيان يوما تمامه　　إذا كنت تبنيه و غيرك يهدم

یعنی وہ عمارت کس طرح تعمیر ہو جائے گی جب تم اس کو تعمیر کرتے ہو لیکن ایک دوسرا شخص اس کو بگاڑنے پر تلا ہوا ہے۔

﴿ مصادر و مراجع ﴾

۱۔ پاکستان کی سیاسی جماعتیں، پروفیسر محمد عثمان، سنگ میل پبلیکشنز لاہور، ص ۲۰

۲۔ الزمر ، ۹

۳۔ سنن ابی دائود۔ لابی دائود سلیمان بن الاشعث السبحستانی 'کتاب الخراج والامارة والضئی باب مایلزم الامام من حق الرعیة۔

۴۔ کنز العمال' للعلامہ ھندی' ج ٥ کتاب الخلافة مع الا مارة فی الترھیب الامارة حدیث نمبر ١٤٢٩٤

۵۔ ازاله الخفاء عن خلافة الخلفاء شاه ولی الله دہلوی' قدیمی کتب خانه آرام باغ کراچی ج ۔چہارم ص ۔ ٤١

۶۔ السنن الکبریٰ' للبیقھی' دارالمعرفة بیروت لبنان' ج ٨ کتاب قتال اھل البغی باب فضل الامام العادل۔

۷۔ الجامع الصحیح' للمسلم' کتاب الامارة باب کراھة الا مارة بغیر ضرورة

۸۔ الحج۔۴۱

۹۔ نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ الاسلامی' ظافر القاسمی' دارالنفائس' بیروت لبنان ١٩٩٠ء ص ٣٥٢

۱۰۔ شعب الایمان' للبیھقی' ج دوم باب نمبر ١٨ فی نشر العلم والا لمنیعه اھله فصل فی انه ینبغی ان یکون تعلم طالب العلم و تعلیم العالم لوجه الله تعالیٰ

۱۱۔ کنز العمال، للعلامہ ہندی، موسته الرسالة، ج ۵ کتاب الخلافة مع الامارة خلافت ابی بکر الصدیقؓ حدیث نمبر ۱۴۰۶۲۔

۱۲۔ کتاب الاسوال' لابی عبید 'مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ، ص ۲۵۱

۱۳۔ سنن ابی دائود' کتاب الخراج والا مارة والفی باب فی تعشیر اہل الذمة اذا اختلفوا بالتجارات۔

۱۴۔ سنن ابی دائود' کتاب الخراج والا مارة والفی باب فی التشدید فی جبایة الجزیة۔

ڈاکٹر سید عبدالباری *

نئی صدی میں ہماری ترجیحات

مغرب نے گزشتہ ۲۰۰ سالوں میں مادہ پرستی کے لئے بے تحاشا فروغ، مشینی کلچر کی ترویج اور آسائش حیات اور انسان کی مادی ضروریات میں روز افزوں اضافے کے ذریعے اصراف پرستی (Consumerism) اور افادیت پرستی (Utilitarianism) کا جو جنون پیدا کیا اس کے جو تلخ نتائج سامنے آئے، ارضی و سماوی ماحول جس طرح برباد ہوا، معاشرہ جس طرح زہر آلود ہوا اور لاحاصل ایجادات و اکتشافات جس طرح زمین پر بوجھ اور انسانی تمدن کے لئے ایک عذاب بن کر منظر عام پر آئیں، ایک بااصول امت اس کو سامنے رکھ کر اپنی مستقبل کی منصوبہ سازی کرے تو بہتر ہے۔ اب مغرب نئی صدی میں کچھ نئے شعبدوں، انسانی بہبود کے کچھ نئے بے فیض منصوبوں اور انسانی شخصیت کو نئے فریب میں مبتلا کرنے والی تجویزوں کے ساتھ سامنے آرہا ہے تاکہ مشرق کے اندر جو اخلاقی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اپنی شناخت اور اپنے افکار و عقائد کے فروغ کیلئے مر مٹنے والی جس فدائیت سے وہ سرشار ہو رہا ہے اسکو دوسرے رخ کی طرف موڑا جاسکے۔ ہزار حیف اگر مسلم دانشور بھی ان طلسمات کے اسیر ہو جائیں اور مشرق وسطی سے وسط ایشیاء اور وسط ایشیا سے افریقہ تک جو فکر تازہ اور ولولہ نو اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے پیدا ہو رہا ہے اور جسے مغرب دہشت گردی، ماضی کی طرف رجعت قہقہری، اور جدید دور کے تقاضوں سے روگردانی اور قابل نفرت رجحان قرار دے کر دنیا کی کمزور قوموں کو گمراہ کر رہا ہے، اسے ترک کر کے خود مغرب کے راگ میں راگ ملانے لگیں۔

تعجب ہے کہ کچھ لوگ، معلومات و اطلاعات کے ذرائع میں جو غیر معمولی ترقی ہوئی ہے، اسے انسانی اقدار اور انسانی تمدن کے فروغ کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھنے کے بجائے، ایک فلسفہ حیات، نظریہ ساز اور مقصود بالذات شے قرار دے رہے ہیں اور اس کی چکا چوند سے اس قدر مرعوب ہیں کہ اسے جدید تہذیب اور نئے دور کا محور تصور کرنے لگے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سوال پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے کہ ان جدید

---

* پروفیسر (ر) ... یونیورسٹی بھارت

وسائل کے ذریعے ہم جو کچھ حاصل کریں گے اس سے ہمارے روحانی واخلاقی نظام میں کیا جوہری تبدیلی پیدا ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ جدید ترین وسائل حیات اور وسائل جنگ میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے ٹیپو سلطان کے بعد سے مشرق مغرب سے مسلسل شکستوں کا سامنا کرتا رہا ہے۔ لیکن ذرا گہرائی سے سوچئے تو اندازہ ہوگا کہ اس کی پشت پر ہمارا اخلاقی زوال اور تشتت وافتراق سب سے زیادہ مہلک ثابت ہوا ہے۔ کیا ذرائع ابلاغ ہماری اس دیرینہ بیماری کا بھی علاج کرسکیں گے، اور کیا وہ ادارے جو اس بیماری کو دور کرنے کے مشتاق ہیں، ذرائع ابلاغ اور تکنیکی مہارت میں فروغ کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھ کر زیادہ سرخرو ہوسکیں گے؟

علم جہاں کامرانی، اقتدار، قیادت اور تہذیبی سربلندی کا ذریعہ اور طاقت کی کنجی ہے وہیں تہذیب نفس کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ تہذیب و ضبط نفس سے انسان دنیا میں بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ بدقسمتی سے مغرب میں مدت دراز سے علم کے ارتقاء کا تعلق انسانی شخصیت کی بہبود اور انسان کے اخلاقی وجود کے استحکام سے برقرار نہیں رہ سکا۔ اس نے انسان کے اخلاقی وجود کو نظر انداز کرکے علم کو محض طاقت کے حصول اور آسائش حیات کی فراہمی کا وسیلہ قرار دیا۔ چنانچہ معاشرے کی فلاح وبہبود کا محض مادی پہلو مدنظر رہ گیا اور حقیقی انسانی بہبود سے محروم معاشرے وجود میں آئے جس میں "کھاؤ، پیو، عیش کرو" کی نفسیات کارفرما ہی۔ مغرب میں حقوق انسانی اور عدل وانصاف کی باتیں بڑی حد تک سیاسی حکمت عملی اور پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتی رہی ہیں۔ حقوق انسانی اور جمہوریت وآزادی کا نعرہ بلند کرنے والے ایشیاء اور افریقہ میں ڈکٹیٹروں، بادشاہوں اور فوجی ظلم وجبر کے بل پر انتخابات کا ڈراما کرنے اور کامیابی حاصل کرنے اور اپنے نظریاتی حریفوں کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے والے حکمرانوں کی پشت پناہی مسلسل اور کھلے عام کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ مغرب کا سارا علمی ارتقا مشرق کے لئے سوالیہ نشان بن گیا ہے۔

مغرب سے آنے والے جدید علوم اور ثقافتی تصورات مشرق کے لئے من وعن قبول کرنے کے لائق نہیں۔ ان میں خود کو سمو کر مشرق نہ تو کسی اچھے معاشرے کی تشکیل میں کامیاب ہوسکے گا اور نہ فرد کا ارتقا صحت مندانہ انداز سے ہوسکے گا۔ البتہ علوم کے بجائے مغرب کی معلومات واکتشافات وایجادات سے ضرور مستفید ہونے کی ضرورت ہے۔ مغرب کے پاس معلومات کا ڈھیر تو ہے اور وہ فارمولے بھی ہیں جن کے ذریعے کائنات کی توانائیوں سے ہزارہا کام لئے جاسکتے ہیں مگر وہ اصول ونظریات نہیں ہیں جو ان معلومات کو سلیقہ مندی سے استعمال کے لئے روشنی عطا کرسکیں۔ سائنسی ٹیکنالوجی، بایو ٹیکنالوجی، ماحولیات اور ذرائع ابلاغ کے امور میں حیرت انگیز انکشافات اور اکتسابات کے باوجود مغرب اپنے افراد اور اپنے معاشروں کی تاریک زندگیوں کو روشنی مہیا کرنے سے محروم ومعذور ہے۔ بدقسمتی سے دنیا کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں مغرب کے پیدا کئے ہو۔

اس جنون کے اثرات پائے جاتے ہیں کہ یہ علم کے زمین سے ابل پڑنے اور آسمان سے پھٹ پڑنے کی صدی ہے اور اس انفجار علم (explosion of knowledge) سے فیض یاب ہونے میں جو پیچھے رہ گیا وہ دنیا کا سب سے ناکارہ ' بد قسمت اور برباد انسان اور معاشرہ ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ مغرب کون کون سے نئے علوم کی تخلیق کر رہا ہے اور ان علوم سے کس طرح کے افراد اور معاشروں کی صورت گری ہو رہی ہے ؟ یہ علوم محض انسان کی جیسی تیسی معلومات کو برق رفتاری سے پلک جھپکتے زمین کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پہنچانے کی صلاحیت 'اس کی جسمانی توانائیوں اور قوت کارکردگی میں اضافہ اور اس کی معلومات کو محفوظ و مامون رکھنے کے قابل اعتماد وسائل پر قدرت کی حد تک محدود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے ہم علوم عالیہ میں شمار ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت سلیمانؑ کے دربار کے ایک صاحب علم نے پلک جھپکتے ملکہ سبا کا تخت ہزاروں میل کی دوری سے ان کے دربار میں لاکر پہنچا دیا تھا اور وہ پرندوں کے ذریعے وہ معلومات حاصل کر لیتے تھے جنہیں آج سائنس کے پیچیدہ آلات مہیا نہیں کر سکتے۔ مگر ان مادی کرشموں سے زیادہ جس چیز نے ان عالی مرتبت پیغمبروں کو تاریخ میں یادگار مقام عطا کیا وہ دراصل اس علم کی وجہ سے تھا جو انسان کی اخلاقی رفعت' ضبط و نفس اور ارتقاء و ایمانیات پر استوار ہے تغیر و تبدل سے ہمکنار نہیں ہوتا۔ ہماری قدریں لازوال و ناقابل تغیر ہیں۔ تغیر و تدیل سائل حیات اور انسان کے مادی ماحول میں ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے مرد مومن کے بنیادی اصول و نظریات نہیں ہوتے۔ وہ علم کے جن پیغمبرانہ سرچشموں سے سیراب ہوتا رہا ہے وہ کبھی خشک نہیں ہوتے اور نہ کبھی اپنا رخ تبدیل کرتے ہیں۔

نئی ٹیکنالوجی سے انسان کے صدہا سال کے علمی و فکری تسلسل میں کوئی جوہری تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے آج بھی انسان کے طرز رہائش میں طرح طرح کی ندرتوں اور روزگار کے نئے نئے امکانات کے باوجود سماجی رشتوں کی استواری اور بہتری کا انحصار ان اقدار پر ہے جو قدیم علوم کی پروردہ ہیں۔ وہ علوم جن کا سلسلہ عالی مرتبت پیغمبروں سے جا کر ملتا ہے' جدید علوم نے ان میں کوئی خاص اضافہ نہیں کیا ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ اقدار کا رشتہ انسانی زندگی سے ٹوٹ گیا ہے۔ کیونکہ مادیت کی کشاکش اس کی اجازت نہیں دیتی کہ انسان اپنی ذات اور الگ الگ شعبہ جات میں کام کرنے والوں کے درمیان خبر رسانی کے لئے جدید ترین آلات کی مدد سے تبادلہ معلومات کے سلسلے میں ضروری آسانیاں مہیا ہو جاتی ہیں لیکن یہ توقع رکھنا کہ اس سے انسانی رشتے مستحکم ہو سکیں گے اور آپس میں ربط و ارتباط اور باہمی تعاون کے جذبات فروغ پذیر ہوں گے' لاحاصل ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس سے علمی و تحقیقی کاموں کے لئے بے پناہ سہولت ہو جائے گی' مگر یہ کہ اس سے انسان کی قوت تخلیق و اختراع میں اضافہ ہو جائے گا' محض خوش فہمی ہے۔

بصیرت و دور اندیشی انسان یا کسی معاشرے کے افراد میں معلومات صحیح ضابطوں' ذرائع معلومات کی اعلیٰ تکنیک' طرز رہائش میں ہونے والی ایجادات اور ترسیل علم کے جدید ترین ذرائع اختیار کرنے سے شاید فروغ پذیر نہ ہو سکے۔ بصیرت و دور اندیشی کا تعلق جتنا خارجی دنیا سے ہے اس سے زیادہ انسان کی داخلی دنیا سے ہے جس میں نور و سرور پختہ ایمان و یقین اور نوع انسانی کے لئے اس کشادہ دلی سے پیدا ہوتا ہے جو خدا پر پختہ ایمان و یقین اور آخرت پر بھروسے سے وجود پذیر ہوتی ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ ایک مومن کا مقصود و منتہا ہے اس کیلئے اور انسانیت کے زریں اصولوں پر مبنی معاشرے کی تشکیل و ترویج کیلئے ذرائع معلومات اور رسل و رسائل کے میدان میں فروغ سے بے شک بہت سی سہولتیں اور آسائشیں پیدا ہوں گی۔ مگر موجودہ اسلامی ادارے اور تحریکات اس پر اپنی ساری طاقت جھونک دینے اور اس کو مقصود بالذات سمجھنے سے اپنے نصب العین سے دور ہو سکتی ہیں اور اعلاء کلمۃ اللہ کی منزل تو دور کی بات ہے اس کے راستے کا غبار بھی شاید ہاتھ نہ آسکے۔ یہ وہ مقصود و مدعا ہے جو انسان سے غیر معمولی ایثار و قربانی اور یکسوئی و والہانہ پن کا طالب ہوتا ہے۔ اس کے لئے زندگی کی بے شمار آسائشوں کو قربان کرنا ہوتا ہے۔ اسے شاید ڈرائنگ روم یا میٹنگ ہال میں بیٹھ کر منصوبہ بندی کی کاوشوں سے حاصل کرنا ممکن نہیں' اسکے متمنی کو گلی کوچوں میں عام ابنائے جنس کے ساتھ غبار آلود ہونا پڑتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اقوام و امم کی نشو و نما ان کے نظریات و عقائد کی روشنی میں ہوتی ہے اور آنے والی نسلوں کی تخلیقی قوت انہی نظریات اور عقائد کے سہارے نمو پذیر ہوتی ہے اور انتشار و پراگندگی سے نجات حاصل کرتی ہے۔ ایک نسل کی دنیاوی محنت و مشقت کا پھل اس کی آنے والی نسلوں کو تھوڑی سی توجہ سے آسانی سے منتقل ہو جاتا ہے' لیکن جو چیز دشوار ہے وہ ہے ثقافتی و اخلاقی اقدار اور تہذیبی شناخت کو ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل کرنے میں کامیابی کا حصول۔ اس کیلئے مشینی ذرائع ابلاغ سے زیادہ شاید انسانی قلب و روح کے داخلی ذرائع ابلاغ کامیاب و کارآمد ثابت ہوتے ہیں جن کے کل پرزے انسان کی روزمرہ زندگی میں اس کے اعمال و افعال' اس کی دوڑ دھوپ اور اس کے معاملات و برتاؤ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام کے بارے میں مغرب کئی صدیوں سے اندھا دھند غلط فہمیاں پھیلا رہا ہے اور مسلمانوں کا چہرہ بگاڑ کر پیش کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا ہے اس غلط پروپیگنڈے اور غلط فہمیوں کے ازالے اور صحیح معلومات کی فراہمی کا یہ سنہرا موقع ہے۔ ضروری ہے کہ مسلمانوں کے اداروں کی تکنیکی وسائل تک بھی رسائی ہو اور وہ ذرائع ابلاغ' ترسیل معلومات اور ذرائع نشر و اشاعت کے جدید ترین وسائل کو استعمال کریں۔ لیکن ایک مثالی معاشرے کی تشکیل اور فرد کے اخلاق کی رفعت سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ یہ نہایت کثیر الجہات جہد و کاوش کا طالب ہے۔ ذرائع ترسیل و ابلاغ اس سلسلے میں ایک شعبے کی حیثیت رکھتے ہیں کیا اچھا ہو

کہ میڈیا، رسل ورسائل اور ذرائع معلومات کے لئے ملت اسلامیہ کا ایک بین الاقوامی فورم وجود میں آئے۔ یہ امت مسلمہ کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس پر یہودیوں اور اسلام دشمن افراد اور اداروں کی عالمگیر سطح پر بلاشرکت غیرے اجارہ داری ہے اور یہ عالم انسانیت کے لئے بڑی خرابیوں اور بربادیوں کا سبب بن گئی ہے۔ اس میڈیا کی کیفیت ملاحظہ ہو کہ انڈونیشیا کے تیمور کے علاقے کے سلسلے میں مغرب نے ایک کہرام برپا کر رکھا تھا اور اسی میڈیا سے چیچنیا کے سلسلے میں عالم اسلام کی محرومی و مجبوری پر نہ گھٹ رہا ہو۔ یہ نہایت ضروری اور مناسب اقدام ہوگا کہ جلد از جلد عالمگیر سطح پر میڈیا اور ذرائع معلومات کے لئے کوئی ادارہ وجود میں آئے اور منصوبہ بندی کر کے اور مختلف ایسے اداروں سے ضروری تعاون حاصل کر کے عالمی پیمانے پر سرگرم عمل ہو۔

یہ بھی طے کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلم ممالک میں نجی شعبہ اور غیر سرکاری تنظیمیں کن میدانوں میں تکنیکی قوت کی حامل ہیں اور کون سی ٹیکنالوجی امت مسلمہ اور مسلم ممالک کی اقتصادی حالت کو تیز رفتاری سے بدل سکتی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان بین الاقوامی بازار میں مقابلے کی سبقت کے حصول کیلئے ضروری حکمت عملی طے کریں اور اس کا بھی تعین کریں کہ آنے والے دنوں میں کون کون سی ٹیکنالوجی ازکار اور متروک ہو جائے گی۔

اس کے ساتھ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آنے والے دنوں میں تیز رفتار مشینی ارتقاء کے نتیجے میں معاشرے میں کیا تغیرات رونما ہوں گے؟ اور اس کی مخلوط شناخت کیا نئے مسائل کھڑے کرے گی؟ یہ بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ آئندہ خلائی و ماحولیاتی ٹیکنالوجی، اطلاعاتی ٹیکنالوجی، توالد و تناسل کے سلسلے میں تکنیکی مہارت اور ادویہ کے شعبوں میں نئی ایجادات آنے والے دور میں انسانی معاشرے پر کیا اثرات ڈالیں گے؟ انسانوں میں انفرادیت پسندی کا غلبہ ہوگا؟ یا وہ خاندانی زندگی کی طرف مائل ہونگے؟ مادہ پرستی بڑھے گی یا ماحول؟ اور معاشرے کی ضروریات کو ملحوظ رکھا جائے گا؟ تہذیب چھوٹے چھوٹے خانوں میں بٹ جائے گی یا عالم گیر سطح پر آفاق گیر خصوصیات کے ساتھ اس کا ارتقا ہوگا؟

یقیناً پیغمبرانہ علوم سے فیض یاب اور عالمگیر آفاقی اصولوں کیلئے بے لوث فدائیت کا جذبہ رکھنے والے اہل نظر ان سوالات کا جواب ڈھونڈ سکتے ہیں اور ان چیلنجوں کا آسانی سے سامنا کر سکتے ہیں، انہیں اس طرف توجہ کرنا چاہیے۔ (بحوالہ ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' لاہور)

راجہ ذاکر خان

فلسطین کی آزادی کے جاں گسل تقاضے اور حماس کی جدوجہد کے بارہ سال......!

۱۴ دسمبر ۱۹۸۷ء کو وجود میں آنے والی اسلامی مزاحمتی تحریک (حماس) اپنے شاندار بارہ سال گزارنے کے بعد اس عزم کیساتھ اکیسویں صدی میں قدم رکھ رہی ہے کہ ان شاء اللہ یہ صدی فلسطین سمیت دیگر مقبوضہ علاقوں کی آزادی کی صدی ہے۔

اس مثالی اسلامی تحریک کے بانی اور روح رواں مجاہد شیخ احمد یاسین ہیں جو معذور ہونے کے باوجود آٹھ سال تک مسلسل اور وقفے وقفے سے تقریباً گیارہ سال اسرائیلی عقوبت خانوں میں گزار چکے ہیں جو اپنی مرضی سے کھانا کھا نہیں سکتا جو کھڑا نہیں ہو سکتا سوائے سر کے اس مرد مجاہد کا پورا جسم مفلوج ہے اسرائیلی جیلوں کے اندر گئے دوسری بیماریوں کا شکار بھی ہو چکے ہیں بینائی اور سننے کی حس بھی ان ظالموں نے سزاؤں کے ذریعہ کم کر دی ہے۔

اسرائیلی آرمی نے اس مرد مجاہد کو اپنے راستے سے ہٹانے کیلئے دنیا کا ہر ظلم آزمایا مگر شیخ احمد یاسین کو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکی۔ اس معجزہ نما انسان کی ایک ایک بات مسلمانوں کے قلب وجاں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے انسانوں کے اندر کشمکش پیدا کر دیتی ہے اور مجاہدین اسلام اپنے سروں کو ہتھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں کود پڑتے ہیں اور اسرائیلی آرمی پر اس طرح حملہ کرتے ہیں جیسے ان کو جنت سامنے نظر آرہی ہو اپنے گھر کی چارپائی پر لیٹے ہوئے اس شخص کی کال پر دنیا کہ ہر کونے میں مسلمان اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں اس مجاہد نے ایک بار فرمایا کہ میں قید کے دوران قرآن کی ایک سورۃ پڑھتے پڑھتے سو گیا اور خواب میں دیکھتا ہوں کہ آنے والا وقت مسلمانوں کے عروج کا وقت ہے اور تمام ظالم طاقتیں مٹ رہی ہیں تب میں نے اور یکسو ہو کر کام شروع کیا ہے۔

۸ دسمبر ۱۹۸۷ء کو پھوٹنے والا انتفاضہ جس نے پورے فلسطین کو گھیرے میں لیا ہوا ہے اسی مرد مجاہد کے تربیت یافتہ افراد نے شروع کیا ہے جو خالصتاً اسلامی بنیادوں پر شروع کیا گیا ہے جس میں کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوتی اپنے حق اور اسلامی وقف القدس کے حصول کے لئے حماس نے سوچ سمجھ کر جہاد کو راستے کو اختیار کیا ہے۔

گزشتہ ایک صدی سے فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے مسلمان ہونے کی وجہ سے فلسطینیوں کی تذلیل کی گئی لاکھوں انسانوں کو شہید اور لاکھوں کو دربدر کیا گیا بستے گھروں اور لہلہاتے کھیتوں کو ویران کیا گیا مسلمانوں کے مقدس مقامات کو اصطبل میں تبدیل کیا گیا مگر افسوس کہ انسانی حقوق کی ساری تنظیمیں خاموش رہیں اقوام متحدہ قرار دادیں ہی منظور کرنے سے آگے نہ بڑھ سکیں ظالم درندے مظلوم فلسطینیوں کا قتل عام کر کے فخر محسوس کرتے عفت مآب خواتین کی ابروریزی کر کے مسلمانوں کی دینی غیرت کو للکارتے ہر یہودی کے ذمہ لگایا گیا تھا کہ اس نے اتنے فلسطینیوں کو قتل کرنا ہے اتنی خواتین کی ابروریزی کرنی ہے اور یہ ظلم یہودی اپنی میٹنگ کے اندر اپنی کارگزاری بیاں کرتے جو سب سے زیادہ قاتل ہوتا جو سب سے زیادہ آبروریزی کرتا وہ یہودیوں کے ہاں عزت پاتا اسکو عہدے دیئے جاتے اور مزید یہودیوں کو اسکے لئے تیار کیا جاتا کہ وہ فلسطینیوں کو قتل کریں۔

حتی کہ یہاں تک بھی ہوا کہ یہودیوں نے مسلم خواتین کی عزت تار تار کر کے چیختی چلاتی خواتین کو کہا کہ بتاؤ ہمارے محمد ﷺ کے ماننے والے کہاں ہیں بلاؤ انکو اپنی مدد کیلئے (نعوذ باللہ) ہم نے انکو ملیامیٹ کر دیا ہے اور وہ بدلہ چکادیا ہے جب محمد ﷺ نے ایک لڑکی کی عزت لٹنے کی وجہ سے ہمیں مدینے سے نکال دیا تھا آج کوئی نہیں ہے جو تمہاری مدد کرے ان درندوں اور پاگل کتوں کے خلاف کسی نے بات نہیں کی کسی نے نہیں کہا کہ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے کسی نے انکو دہشت گرد نہیں کہا جو دنیا کے کونے کونے سے آکر فلسطینیوں پر ظلم کرر ہے تھے۔ اور آج تک یہ سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

جب اسلامی مزاحمتی تحریک نے فلسطینی عوام کے دفاع کیلئے عسکری مزاحمت کا آغاز کیا یہودی قبضے کے خلاف جو انکا قانونی حق بھی تھا مگر ان مظلوم فلسطینیوں پر ایک بار پھر دہشت گردی کا الزام لگا کر انکے اس حق کو بھی چھیننے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بد معاش امریکہ نے دو مرتبہ حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دیا ہے۔ اور ساری دنیا سے اپیل کی ہے کہ وہ اس تنظیم کے ساتھ ہر طرح کا رابطہ منقطع کرے۔

جبکہ اسلامی تحریک نے بارہا اعلان کیا ہے کہ ہمارا مقصد قابض یہودیوں کے خلاف مزاحمت کرنا ہے جنہوں نے زبردستی فلسطین پر قبضہ کیا ہے اور بڑے پیمانے پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کرر ہے ہیں اور یہ تحریک نہ صرف سیاسی اور عسکری سطح پر کام کررہی ہے بلکہ اسکا مقصد اچھے دانشور سماجی کارکن تیار کرنا ثقافتی تبدیلیاں لانا طب کے شعبے میں اسلامی نظریہ رکھنے والے ڈاکٹرز تیار کرنا رفاہی ادارے قائم کرنا اور انکے ذریعہ غریب فلسطینیوں کی مدد کرنا جو آج بھی کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں تعلیم جو بنیادی چیز ہے اسکو عام کرنا تعلیمی ادارے قائم کرنا اور غریب طلبہ کو وظائف دینا شامل ہے اور فلسطین کو باخبر رکھنا کہ یہودی انکی

اصلیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں امریکہ کے نزدیک اسلامی بنیادوں پر فلاح و بہبود کے کام کرنے والے دہشت گرد قرار پاتے ہیں اپنے حقوق کی بازیابی کیلئے جدو جہد کرنے والے دہشت گرد اور انکی زمینوں مکانوں پر قبضہ کرنے والے امن پسند گردانے جاتے ہیں ان تمام مشکلات اور مسائل کے باوجود اسلامی مزاحمتی تحریک (حماس) بارہ سالوں میں وہ تمام اہداف حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہے جو تحریک کے افراد نے طے کئے تھے اور یہ تنظیم اب فلسطینی منظر پر ایک نمائندہ تنظیم بن کر فلسطینیوں کی نمائندگی کر رہی ہے اور فلسطینی عوام کو اس نہج پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ بغیر بیرونی مدد کے اسرائیلی آرمی کے خلاف آزادانہ طور پر جہاں چاہیں کاروائی کر سکتے ہیں۔ جدید طریقہ جہاد سے دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اور ان بارہ سالوں میں جتنا نقصان قابضین کو ہوا ہے اتنا گزشتہ پورے عرصے میں نہیں ہوا ہے اور اسی بنیاد پر صہیونیوں نے باہر سے مزید مدد طلب کی کیونکہ اسرائیلیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ ۲۰۰۰ء میں عظیم اسرائیل قائم کر دیں گے اور ایک دنیا پر انکی حکومت ہوگی اسرائیل کے بڑھتے ہوتے قدموں کو نہ صرف روک دیا گیا بلکہ انکو پسپائی پر مجبور کر دیا گیا اور وہ جو دنیا پر قبضے کا دعویٰ کر رہے تھے تل ابیب کے اندر غیر محفوظ ہو گئے۔

شیخ احمد یاسین نے جب فلسطینیوں کو کامیابی کا راستہ دکھایا تو عالمی استعمار جو اسرائیل کی پشت پر تھا نئے انداز سے سازشیں تیار کرنے لگا شیخ احمد یاسین کو گرفتار کر لیا گیا اور دیگر قیادت کو فلسطین بدر کر دیا ۱۹۹۲ء کو چار سو سے زیادہ اہم رہنماؤں کو لبنان اور فلسطین کی سرحد پر بھیج دیا گیا شدید برف باری اور خوراک نہ ہونے کی وجہ سے ان افراد کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لبنان نے انکو لینے سے انکار کر دیا یہاں پر کسی صحافی اور دیگر تنظیموں کو جانے کی اجازت نہیں تھی مگر اللہ کے مجاہد وہاں بھی ڈٹے رہے یہ کاروائی حماس کے خلاف اس لئے کی گئی تھی کہ میڈرڈ کانفرنس ۱۹۹۱ء کے بعد اسلامی مزاحمتی تحریک (حماس) کے عسکری ونگ عزالدین القسام نے ایک کاروائی کی جس میں اسرائیلی فوجیوں کو گرفتار کیا اور بعض کو ہلاک کیا تھا یہ اسرائیلی آرمی کے خلاف ایک بڑی جاندار کاروائی تھی جسکی وجہ سے اسرائیل خوف زدہ ہو چکا تھا اور اب فلسطینیوں کو ہمت پیدا ہوئی کہ ہم بھی اسرائیل کے خلاف کاروائی کر سکتے ہیں اس سے حماس کی شہرت میں اضافہ ہوا فلسطینی عوام جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہوئے۔

دم توڑتے ہوئے مسئلہ فلسطین کو ایک بار پھر زندہ اور حل طلب مسئلہ بنا دیا گیا تھا جو استعمار کے لئے پریشان کن تھا اور یہ جہاد اس لئے بھی زیادہ توانا ہوا کہ افغانستان کے اندر مجاہدین نے رشیا جیسی سپر طاقت کو نقشے سے مٹا دیا تھا اس جہاد سے فلسطینیوں نے سبق حاصل کیا اور اسرائیل کیخلاف جہاد کا اعلان کیا اور مختلف عرب اور اسلامی ممالک میں اپنے سیاسی دفاتر قائم کئے۔

اس بڑھتی ہوئی تحریک کو دیکھ کر یہودیوں نے اوسلو معاہدہ ۱۹۹۳ء پر دستخط کر کے ایک خوفناک سازش تیار کی فلسطینیوں کے خلاف تاکہ ان کو آپس میں لڑا کر انکی طاقت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹادیا جائے اس مقصد کی تکمیل کیلئے انہوں نے یاسر عرفات کو مہرے کے طور پر استعمال کیا۔

شیخ احمد یاسین اور انکی پوری قیادت نے نہایت حکمت کے ساتھ کام کیا جبکہ یاسر عرفات اتھارٹی نے پوری کوشش کی جو یہودیوں نے انکو بتائی تھی حماس کو ختم کرنے کیلئے غزہ کی پٹی میں ایک مسجد کے باہر (۱۵) معصوم فلسطینیوں کو اتھارٹی نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا اور الزام لگایا کہ یہ حماس نے یہ کاروائی کی ہے تاکہ اسکے خلاف بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی جاسکیں اسکے فوراً بعد یاسر عرفات اتھارٹی نے پانچ عسکری ونگ عزالدین القسام کے سپریم کمانڈر شہید کئے تاکہ عسکری مزاحمت کو ختم کیا جاسکے یہ اوسلو معاہدے کا اہم حصہ تھا اور اسوقت بھی یاسر عرفات اتھارٹی کی جیلوں میں پانچ سو سے زیادہ قیدی ایسے ہیں جو اسلامی تحریک کے مرکزی راہنما ہیں انکو وائی ریور معاہدے کے موقع پر گرفتار کیا گیا تھا اور دو سال گزرنے کے باوجود نہ ان پر کوئی مقدمہ چلا نہ انکو عدالت میں پیش کیا گیا صرف جیلوں میں بند ہیں یہ تمام کاروائی اسرائیل اور امریکہ کے کہنے پر کی جارہی ہے دوسری طرف اسرائیل نے نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کا کام جاری رکھا ہوا ہے فلسطینیوں کو انکے گھروں سے آج بھی نکالا جارہا ہے۔ یروشلم کو یہودی شہر بنانے کیلئے ہر طرح سے کام جاری ہے فنڈز اکھٹے کئے جارہے ہیں ،مسجد اقصیٰ کو گرا کر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کیلئے ایک پڑوسی ملک میں اسکے تمام لوازمات تیار ہیں اور صرف گھنٹوں میں اسکو تعمیر کیا جائے گا ، مگر مسلمان حکمرانوں اور امت مسلمہ کو اسکا ادراک نہیں ہے حماس نے جو آواز بلند کی ہے تو امریکہ سمیت دیگر ممالک انکے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں امریکہ نے ڈاکٹر موسیٰ ابو مرزوق کو تقریباً دو سال اپنی جیلوں میں بند رکھا بغیر کوئی وجہ بتائے۔

خالد مشعل پر اردن میں قاتلانہ حملہ کیا گیا اور موساد کے ایجنٹ گرفتار بھی ہوئے مگر انکے پاس طاقت تھی وہ آزاد کر دیئے گئے ،آج اس سے زیادہ خطرناک سازش تیار ہوئی ہے کہ امریکہ اسرائیل یاسر عرفات نے اردن کی حکومت کو مجبور کیا ہے کہ وہ حماس کے تمام دفاتر بند کرائے اور اردن کی حکومت نے حماس کے دفاتر بند کر کے قیادت کو ملک بدر کر دیا ہے جو آج کل قطر میں ہیں اور وہاں پر بھی انکو کسی طرح کا سیاسی کام کرنے کی اجازت نہیں ہے یہ تمام حقائق امت مسلمہ کو بیدار کرنے کیلئے کافی ہیں یہ تمام سازشیں فلسطین کو آزادی کی نعمت سے روکنے کیلئے کی جارہی ہیں اور اس موقع پر انسانی حقوق کی تنظیمیں خاموش ہیں اس طرح کبھی نہیں ہوا کہ اپنے ہی شہریوں کو دوسروں کے کہنے پر اپنے ملک سے نکال دیا جائے اور وہ بھی القدس کی آزادی کیلئے کام کر رہے ہوں یہ تو غداری کے مترادف ہے ماہ رمضان اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ ہم سب مل کر انبیاءؑ کی سرزمین

فلسطین اور یروشلم کے بارے میں ایک موقف اختیار کریں اور اسلامی مزاحمتی تحریک کے پشتی بان بن جائیں تاکہ مسجد اقصیٰ سمیت دیگر مقبوضہ علاقوں کو بھی آزاد کرایا جاسکے۔ جس طرح مشرق وسطیٰ میں سازشوں کے خلاف جال بنے جارہے ہیں صرف اسرائیل کو تسلیم کرانے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے کئے جارہے ہیں میڈلین البرائٹ کا دورہ شام اسی سازش کا حصہ ہے جس طرح اردن سے اسرائیل کو تسلیم کرائے کہ فلسطین کو دیس سے نکال دیا گیا ہے اسی طرح شام اور پھر مکمل طور پر اسرائیل کی حکومت ہوگی اسکے سامنے کوئی بند باندھنا مشکل ہوگا آج وقت ہے کہ ہم اپنی پالیسی واضح کریں اور اس رستے ہوئے ناسور کو کاٹ پھینکیں ورنہ یہ تمام جسم مفلوج کردے گا اور اسوقت اسکا علاج بھی ممکن نہیں ہوگا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس خطرناک پالیسی کو سمجھ کر اس کے خلاف کام کریں انڈیا اسرائیل عسکری تعاون بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اسرائیل کی خواہش ہے کہ وہ اپنے مقابلے میں آنے والے ملک کو کچل دے اور اسی بنیاد پر وہ پاکستان کے خلاف ہندوستان کے ساتھ سازباز کررہا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۱ سے

ہے بہت سی باتیں جو کہ ناجائز ہوتی ہیں بے تکلفی سے پہلے طے کی جاتی ہیں مثلاً جہیز کا لین دین 'باراتیوں کی کمی بیشی 'اچھی بری جگہ پر شادی اور ولیمے کا پروگرام۔ اگر اس کے ساتھ یہ تلخ باتیں بھی طے کرلی جائیں مثلاً حق مہر خالصتاً شرع کی بات ہے خلع اور طلاق وغیرہ کی بات تو اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور ان باتوں کو طے کرنے سے زندگی میں سکون ہوگا۔ راقم الحروف کی یہ سوچ اگرچہ ایک دیوانے کی سوچ لگے گی مگر کچھ صحافی حضرات اور علمائے کرام کوشش کریں تو معاشرے کے یہ سلگتے ہوئے روگ کم بھی ہو جائیں گے اور ختم بھی میں آپ کو حلفاً قسماً کہتا ہوں کہ پاکستان کا شاید ہی کوئی خاندان بچا ہو جہاں پر ان مسائل سے دوچار ہو کر بچیاں برباد بھی ہو رہی ہیں اور حالات کی پریشانی میں زندگی کو کوس رہی ہیں۔ اور ماں باپ اپنی پریشانیوں میں زندہ درگور ہو رہے ہیں۔

ملک عبدالصمد شاہد

حوا کی بیٹیاں اور ازدواجی دہشت گردی

چھٹی صدی عیسوی میں جب کائنات ظلم اور استبداد اور شرک سے بھر چکی تھی تو رب ذوالجلال نے اپنے حبیب مکرم سرور کائنات ؐ کو مبعوث فرمایا اور کائنات کو رحمت سے بھر دیا پھر رسول اکرم ؐ کے 23 سالہ نبوی انقلاب میں جہاں دنیا سے شرک ختم کر کے وحدہ لاشریک کی عظمت اور توحید کو اجاگر کیا وہاں ساتھ ہی عورت کے مقام کا تعین بھی فرمایا اور اس کے پاؤں کے نیچے جنت کا تصور دے کر اسے ایسی مقدس ہستی بنا دیا جس کی مثال ساری دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی۔ اور پھر گرم سرد ہوائیں چلتی رہیں انقلابات زمانہ سے صدیاں گزار کر دنیا 21 صدی میں داخل ہونے کی تیاریوں میں ہے۔ مگر آج پھر بدقسمتی سے دنیا کے دیگر ممالک کے علاوہ ہمارے ملک عزیز پاکستان میں جو کہ صرف خدا اور رسول کے نام کو بلند کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا پھر حوا کی بیٹی پریشان ہے اور منزل کے دوراہے پر کھڑی ہے۔ اور اس کے ساتھ عجب تماشہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے دوبار ملک کی حکمران بھی حوا کی بیٹی رہی۔ مگر روزانہ اس کے دور حکومت میں بھی عورت پر ظلم ہوتا رہا اور حالات کی ستائی ہوئی مظلوم اور معصوم بچیاں دارالامان کا رخ کرتی رہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اور دن بدن کیوں بڑھ رہا ہے میں معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ سب سے زیادہ قصوروار ہمارے حکمران' علمائے کرام' ملک کے بڑے بڑے صحافی اور دانشور حضرات ہیں اس لئے کہ کسی کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔ صرف 10 فیصد فیشن زدہ مغرب کی دلدادہ خواتین حقوق نسواں کا شور مچا کر گزارہ کر رہی ہیں مگر سب شرفاء عقلاء' علماء اپنی اپنی سیاست اپنی مصروفیات اور کمائیوں میں مصروف ہیں۔ 53 برس کی جدائی کے باوجود ہمارا معاشرہ اپنی سماجی رسومات میں تاحال ہندوازم کے زیر اثر ہے اور آج کے زور آور TV میڈیا نے افکارات اور کردار کو بالکل کچل کر رکھ دیا ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ملک میں تین طبقے ایک دوسرے کے مد مقابل وقت گزار رہے ہیں۔ 10 فیصد سیاستدان' حکمران بیوروکریٹس ٹائپ کے لوگ یہ تو مکمل طور پر اپنی من مانیوں میں مصروف ہیں۔ ان کو امیری غریبی احکامات خداوندی سے کوئی غرض نہیں کہ ان کے کسی عمل سے کیا ردعمل ہوگا۔ کسی کا دل دکھے گا یا کوئی غریب احساس کمتری سے ہی مر جائے گا وہ لاکھوں کروڑوں لگا کر اپنی راج دلاریوں کو راج محلوں میں بسا لیتے ہیں۔ دوسرا دس فیصد طبقہ تاجر اور صنعت کار حضرات کا ہے جو کہ حقیقت میں ملک کو چلاتے بھی ہیں اور کماتے بھی ہیں ملک کی مہنگی ترین آبادیوں کے مکین ہیں یہ طبقہ بھی دولت کے بل بوتے پر اپنی من مانیوں میں مصروف ہے۔

ہندوانہ طریقہ سے دو دو دن کی مہندیاں آواری اور پرل کونٹینٹل میں ہزاروں ہندوں کا فنکشن لاکھوں کے جہیزوں کے ساتھ گاڑیاں یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کی ریس میں بڑھ چڑھ کر باقی 80 فیصد کو ذلیل کرنے میں مصروف ہیں اور ان کے پاس اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے دیا ہے تو بچوں کی خوشی کیوں نہ کی جائے حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اگر تمہارے ہمسائے میں کوئی بھوکا ہے تو پہلے اس کو کھلاؤ اور اپنی پر آسائش زندگی سے اس کو مرعوب نہ کرو۔ خیر اب آئیں اصل بات کی طرف پورے ملک کی 80 فیصد مڈل کلاس کی جوان بیٹیاں کچھ تو مہنگائی کے ہاتھوں اور حالات کی مجبوری سے اور اعلیٰ تعلیم سے محروم ہیں اور پھر اس مہنگائی اور جہیز کی لعنت کے ہاتھوں بالوں میں سفیدی لئے گھروں میں بیٹھی ہیں اور ان حالات میں اگر بھاگ دوڑ کر کے ماں باپ رشتہ داروں اور وچولیوں کے ذریعے رشتہ کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں تو پھر لڑکوں کی لالچی مائیں سانس لینا دوبھر کر دیتی ہیں۔ اب تو بدقسمتی یہ ہے اور واقعات میں اضافہ ہو گیا ہے کہ لڑکے ہی نااہل نکل آتے ہیں۔ عموماً بے روزگاری اور غربت کے ہاتھوں بری علتوں کا شکار ہوتے ہیں مگر مائیں بچاری اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتی ہیں اور ہر قسم کے نشئی' نیم مرد' نامرد اور نامراد قسم کے لڑکوں کی مائیں بھی ان کے سروں پر سہرے دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور لڑکی کے غریب ماں باپ ساری پونجی لگا کر قرض اٹھا کر اپنی اس ذمہ داری سے فارغ ہوتے ہین تو کچھ دنوں بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ تو مکمل طور پر لٹ گئے ہیں۔ اب لڑکی اور لڑکی والے مکمل طور پر لڑکے والوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ لڑکی ان کے یا پھر لڑکے کے نکاحی قبضہ میں جہیز بھی ان کے قبضے میں اور اب لڑکا نشئی ہے تو علاج کی باتیں شروع ہو جاتیں ہیں اور لڑکا ویسے ہی فارغ ہو تو بچیاں نفسیاتی مریض بن جاتی ہیں ۔ مگر بات کسی طرح بھی سلجھنے نہیں پاتی اور پھر لٹ پٹ کر چار چھ ماہ بعد لڑکی والے فیصلہ کرتے ہیں کہ طلاق حاصل کر کے بچی کی جان چھڑائی جائے۔ مگر دوسری طرف مکمل بدمعاشی کا سامنا ہوتا ہے۔ کہ نہیں جی ہم تو بسانا چاہتے ہیں' باتیں یہ بناتے ہیں کہ لڑکی کا ویسے دل نہیں لگتا یا پتہ نہیں پہلے سے ہی کوئی چکر تھا اور اس طرح مکمل بلیک میلنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مہر لکھا ہوتا ہے تو وہ لڑکی چھوڑ کر خلع مانگ لیتی ہے۔ اور پھر سامان کی بے ہودہ طریقہ سے واپسی اس گرمی اور غصے میں لڑکے کی بہنیں کپڑے اور سامان خراب کر کے اپنے دل کی تسکین کرتی ہیں اور ہزار پریشانیوں پنچائیتوں رشتہ داروں' تھانوں عدالتوں کی بے انصافیوں سے گزر کر سب کچھ لٹا کر بیٹی طلاق یافتہ ہو جاتی ہے اور پھر لڑکی کے ماں باپ ایک گہری سوچ اور پریشانی میں ڈوب جاتے ہیں اور اس ہندوانہ معاشرے کے چہروں پر ایک بات ان کو پڑھنی پڑتی ہے کہ پتہ نہیں کیا چکر تھا کیوں اتنی جلدی طلاق ہو گئی اور اس بدنصیب کے لئے دور دور تک اندھیرے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور دوسری طرف وہی نیم مرد۔ نامرد اور نامراد قسم کے نشئی لڑکے جو نہائے دھوئے گھوڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان کی مائیں بہنیں سر پر سہرے

باجے گاجے کی آوازوں میں گم ہو جاتی ہیں اور تھوڑی سی جدو جہد سے وہ پھر فیض یاب ہو جاتے ہیں اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس اسلامی معاشرے کا ڈھنڈورا پیٹنے والے کبھی یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس کا کیا حل کیا جائے۔ اگر چہ یہ شادی اور یہ انتخاب ایک اندھیرا جوا ہوتا ہے اور مکمل طور پر تقدیر خداوندی کے زیر سایہ ہے مگر اس کی فلاح کے لئے کچھ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے محترم ڈاکٹر اسرار صاحب نے اپنے طور پر کاوش کی مگر حکومتوں اور باقی علمائے اکرام کی بے حسی سے یہ جذبہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اگر کچھ کرنے والے حساس ہوں اور نیت نیک ہو تو پھر ہر وقت بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔

راقم الحروف کی چند تجاویز عرض ہیں۔

(۱) علمائے اکرام اور حکومت وقت اپنے علم اور اختیارات کو مد نظر رکھ کر نکاح کے سب سے اہم موضوع (حق مہر) کے مسئلہ کو حل کرالیں۔ کیونکہ ویسے بھی امراء میں سے کوئی عیاش اور اوباش بازاری چکروں میں پڑتا ہے تو دنوں میں لاکھوں اجاڑ دیتا ہے۔ مگر نکاح کے وقت جب تا حیات شریک حیات کے مہر کی بات ہوتی ہے تو بڑے بڑے مہذب اور شریف لوگ خدشہ بد نیتی کے تحت چہ مگوئیوں میں پڑ جاتے ہیں اور کوئی کہتا ہے 32.25 (بتیس روپے چار آنے) لکھ دیں اور عموماً سب شرفاء اسی کو شرعی مہر کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ کیا علمائے اکرام' مفتیان عظام کے لئے قوم کو اصل شرعی مہر بتانا نا ممکن ہو گیا ہے۔

(۲) عالمی اور ملکی غیر اسلامی نہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں لڑکی کی شادی اور ماں بننے کی عمر واضح کر دی جائے تا کہ 16-17 سال کی کہانیاں عدالتوں میں افسانے نہ بنیں اور کوئی صاف راستہ مل جائے۔

(۳) نکاح کے فارم میں لڑکی کو طلاق کا حق تفویض کیا جائے اور اس کو لازماً نکاح رجسٹرار صاحبان کو پابند کیا جائے تا کہ اگر کوئی بد نصیب تقدیر کے ہاتھوں غلط لوگوں کے چکر میں پھنس جائے تو اس بے انصاف ملک میں عدالتوں میں ذلیل ہونے سے اور طویل قانونی پیچیدگیوں سے بچ جائے۔

(۴) زیادہ سے زیادہ رسم نکاح کو سنت رسولﷺ کی روشنی اور احکامات میں باندھا جائے۔

(۵) اگر یورپ اور دیگر اسلامی ملکوں کی طرح سے لڑکوں کو پابند کیا جائے کے وہ شادی کے بارے میں اہلیت کا سرٹیفکٹ کسی مستند ڈاکٹر سے حاصل کر لیں اگر چہ بات چبھنے والی ہے۔ مگر بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اولاد ہونے میں دیر ہو جائے تو بھی ڈاکٹروں سے تصدیق کرنا پڑتی ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

(۶) بہت سے لوگوں کو وقتی طور پر اور خاص کر علمائے کرام کو یہ باتیں بری لگیں گی مگر بہت سوں کا بھلا ہو گا۔ اور ان شاء اللہ فلاح کے راستے کھلیں گے کیونکہ شادی بیاہ میاں بیوی کے علاوہ دو خاندانوں کا بندھن ہوتا

((باقی صفحہ نمبر ۳۹ پر))

غزل فارسی

بر زمین سرمدؒ

در جہاں تو ہر چہ بینی اے دل شیدا غلط ‌ پس غلط پیشے غلط اسفل غلط بالا غلط
اے کہ می نازی باایں میخانہء عمر رواں ‌ مے غلط مینا غلط مستی غلط صہبا غلط
تو مشو بر حسنِ فانی غِرہ اے محبوب ما ‌ جاں غلط جاناں غلط مجنوں غلط لیلیٰ غلط
بر ندارند حاصلے ایں نازنینانِ جہاں ‌ خم غلط خالے غلط گیسو غلط شہلا غلط
توچہ خواہی بلبلا از نالہائے زارِ خویش ‌ گل غلط گلشن غلط رنگے غلط لالا غلط
اعتماد و تکیہ بر نعمائے ایں دنیا مکن ‌ زر غلط زورے غلط درہم غلط صفراء غلط
بس خیالی نقش بشمار ایں جمال کارِخِ خاک ‌ شہ غلط شاہی غلط حمراء غلط بیضاء غلط
اے چوں تو محو فغانے بہر آں خاکی نگار ‌ اُف غلط آہے غلط گریہ غلط آوا غلط
ترک کردم چارہ سازی دلِ صدپارہَ ‌ دل غلط دردے غلط دارو غلط دعویٰ غلط
تابکے فانی روی برایں نمط اے غافلا ‌ رہ غلط رہبر(۱) غلط فکرے غلط سودا غلط

---

(۱) رہبر۔ نفس

ایں غزل بر رباعی مشہورہ سرمدؒ کہ

اعتبار وعدہ ہائے مردم دنیا غلط ‌ ہاں غلط آرے غلط امشب غلط فردا غلط
نسخہ بینائی دیوان عمر ما مپرس ‌ خط غلط معنی غلط انشاء غلط املا غلط

لیفٹیننٹ کرنل (ر) محمد اعظم

خوشحال خان خٹک

بحیثیت ایک سپاہی ایک شاعر

(فضل حق شیدا کے طویل پشتو مقالے مرد میدان سے ماخوذ)

خوشحال خان خٹک پر لکھنے والے کو ایک عجیب ذہنی الجھن سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ خوشحال خان کی شخصیت مختلف النوع خصوصیات کا ایک عجیب و دلچسپ مرکب ہے۔ وہ بیک وقت ایک صاحب سیف و قلم سپاہی۔ سیاسی رہنما۔ قبیلے کا سردار میر لشکر اور ساتھ ہی بہت بڑا ادیب اور شاعر بھی ہے۔ اس کی شاعری کے متعلق تفصیلی گفتگو تو کی جاسکتی ہے مگر اس میں دقت یہ ہے کہ اس کی شاعری بھی اس کی شخصیت کی طرح کئی خانوں میں بٹی ہوئی ہے کہیں محبوب کے خدوخال کی تعریفیں ہیں تو کہیں ہجر و وصال کے قصے اور کہیں سوزوگداز سے بھرپور غزلیں۔ کہیں قدرتی نظاروں کی تصویر کشی ہے تو کہیں پتھریلے میدانوں اور بے آب و گیاہ پہاڑوں کی منظر کشی۔ کہیں خواہشات نفسانی کا ذکر ہے تو کہیں جنگوں کے تذکرے۔ خوشحال خان کے دیوان کے تقریباً ہر صفحے پر ہر غزل میں میدان کارزار کے مناظر ہیں تلواروں اور زرروں کی جھنکاریں ہیں اور ننگ و غیرت کی باتیں ہیں۔ اگر یہ جنگ ننگ اور تیغ و تفنگ کی باتیں اسکے کلام سے نکال لی جائیں تو باقی صرف وہ ڈھانچہ رہ جائیگا جس سے روح نکل چکی ہو۔ اس لئے اگر خوشحال خان کو ایک صاحبِ قلم سپاہی کی حیثیت سے پیش کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

دنیا میں بہت کم ایسے شاعر گذرے ہیں جو قلم کیساتھ تلوار کے بھی دھنی ہوں۔ مگر خوشحال خان گفتار اور کردار دونوں کا غازی تھا۔ اس بحث میں پڑے بغیر کہ وہ مغلوں کے خلاف تلوار اٹھانے میں حق بجانب تھا یا نہیں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ اورنگ زیب کے عہد میں چند ایسے ناخوشگوار واقعات ضرور پیش آئے جو خوشحال خان کے دل میں مغلوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا باعث بنے۔ ان واقعات کی تفصیل کا تعلق نہ موضوع سے ہے اور نہ یہاں اس کی گنجائش۔ اس مضمون کا مقصد صرف اس مرد میدان کی رزمیہ شاعری پر بحث کرنا ہے۔ خوشحال خان کے کلام کے مختلف حصے اگر ایک ترتیب دے کر اکھٹے کئے جائیں تو اہم تاریخی واقعات کا بالتفصیل مرقع بن سکتا ہے وہ اپنے زمانے کے ان شعراء سے بالکل مختلف ہے جو یا تو اپنے ماحول سے متاثر نہیں ہوئے یا مصلحتاً خاموش رہے مگر خوشحال خان کی حساس طبیعت (جو خود اس المیے کا ایک اہم کردار تھا) اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوئے بغیر

نہیں رہ سکی۔ اس کے دیوان میں افغانوں کی خانہ جنگیاں۔ مغلوں سے جنگیں اور پٹھانوں کے جہدبقا کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ اور ان میں خوشحال خان سب سے نمایاں سب سے بلند تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا نظر آتا ہے۔

خوشحال خان ایسا شاعر ہے جو تلواروں کی جھنکار میں بھی سکون محسوس کرتا ہے اسکے کلام میں جگہ جگہ بہادری، مردانگی، غیرت مندی، خودداری، سیر و شکار اور باز اور شاہین کے تذکرے ہیں وہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ مرد وہ ہے جو موت سے نہ ڈرے۔ شیر وہ ہے جو دوسروں کے میدان میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور فاتح وہ ہے جو سر دھڑ کی بازی لگانا جانتا ہو۔ اس کے نزدیک سرفروشی مرد کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

یادسپینو تو رو مرد شه یا عاشق شه
چه یاد یگے په بدلو په سندرو

(تو اگر چاہتا ہے کہ لوگ تیرے کارنامے بدلوں اور سندروں (پشتو لوک گیت) کی صورت میں یاد رکھیں تو عاشق بن یا شمشیر زن) اور

چه سَرگنده سَربازی کاندِ دَتورو
زه خوشحال خټك تر هَغے هنر زار شوم

(میں خوشحال خٹک اس ہنر کے قربان جو سونتی ہوئی تلوار پر سر کی بازی لگانے کا درس دے)

اس کی غیرت مند طبیعت کو بزدل کی ہمراہی حج کے سفر میں بھی گوارا نہیں۔ مگر جواں ہمت مرد کیساتھ صحراؤں کی صعوبتیں جھیل کر بھی وہ خوش ہے۔ جو شخص میدان جنگ میں زخم کھانے سے ڈرے یا تیروں سے بچنے کی کوشش کرے وہ اسے نسوانیت کے طعنے دیتا ہے۔ اور یوں مخاطب ہوتا ہے۔

یا کشتی د زور آور و سره مکړه
یا د دوئی غوند پیدا کړه مړوندونه
یا دمرد غوندِ شمله په دستار پریگده
یا په سر که لکه خزو میز رونه

(یا طاقت وروں سے زور آزمائی نہ کر۔ یا انکی طرح اپنے بازؤں میں قوت پیدا کر۔ یا مرد کیطرح پگڑی پر اونچا طرہ رکھ یا عورتوں کی طرح سر پر چادر اوڑھ)

وہ ان بیٹوں سے بے زار ہے جو بہادر نہ ہوں۔ جنہیں اسلحہ سے محبت نہ ہو۔ جو تلوار چلانا نہ جانتے ہوں۔ وہ ان سے کہتا ہے۔ ؎

چه او نه وہی په دواړو لا سوتوره
چا ملکونه په میراث نه دی موندلی

(جب تک خود دونوں ہاتھوں سے تلوار نہ چلائی جائے۔ ملک کسی کو میراث میں نہیں ملا کرتے۔ اور

په میدان کے توئے خے دی دُ سَر وینے
نَه چه ډکَه سینه اوړے دَ جگر خون

(سر کا خون میدان میں بہتا اچھا ہے۔ بجائے اسکے کہ آرزوؤں کے خون سے بھرا سینہ واپس لے جایا جائے) اور مزید کہتا ہے ؎

چه په زان مړنے نه ائے
مړ نتو ب نه کا لخکر

(اگر تو خود بہادر اور باہمت نہیں تو اپنے لشکر سے بہادری کی امید نہ رکھ) قائدانہ اوصاف کا تذکرہ وہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔ ؎

چه میر د لخکر مرد دے
گران کا رونه شی آسان

(اگر میر لشکر مرد میدان ہے تو مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتے ہیں) اور ؎

سرداری لره بو یه دا در ۔ سیزه
یو صحت او دوئم توره بل اخلاق

(ایک سردار کیلئے تین چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ اول صحت۔ دوئم تلوار اور سوئم اخلاق)

سرداری کے وہ چند ایک مخصوص صفات ناگریز سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک "زوانمردی په زر شندل او په سر شندل وه" یعنی جوانمردی زر اور سر کی قربانی مانگتی ہے۔ ؎

خانی کا رد بل چانه دے دَ هغه دے
چه صرفه اے نه په زر وی نه په سر

(سرداری صرف اس کا کام ہے جو زر لٹانے اور سر کٹانے کی جرات رکھتا ہو) ایک جگہ بلند نگہی کی مثال وہ ایک انوکھے تقابل سے دیتا ہے۔ ؎

سپے دورمه چیچی دَ غشی
پڑانگ حمله په تیرا نداز کا

کتے کی عادت ہے کہ وہ پھینکے ہوئے تیر یا پتھر کو کاٹنے دوڑتا ہے مگر شیر تیر انداز پر حملہ کرتا ہے) ننگ کا لفظ خوشحال خان کے کلام میں بار بار آیا ہے۔ اسکے ہاں ننگ کا وہی تصور ہے جو اقبال کے ہاں خودی کا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ خوشحال کی زندگی کا مقصد یہی تھا کہ عزت کی زندگی گزاری جائے۔ یہ تمام جنگیں۔ آلام و مصائب اس نے صرف اسلئے برداشت کئے کہ اپنی خودداری برقرار رکھ سکے۔ یہ بات اس کے اشعار سے نمایاں ہیں۔ ؎

نه په مُلك يم نه په نورسه
خپل عزت دے په ماگران

(مجھے نہ ملک کی ضرورت ہے نہ کسی اور چیز کی۔ میرے لئے اپنی عزت زیادہ اہم ہے) اور پھر ؎

به خپل نام وننگ چه راشم ليونے شم
خبردار كله په سود و زيان دَلك يم

(جب میرے نام و ننگ پر حرف آئے تو میں دیوانہ ہو جاتا ہوں اور پھر مجھے لاکھوں کے سود و زیاں کی بھی پرواہ نہیں رہتی)۔ اور

سر دے درومی مال دے درومی پت دے نه زی
د سڑی د چارو کل خوبی په پت ده

(سر جائے دولت جائے عزت نہ جائے۔ کیونکہ مرد کی تمام زندگی کا دارومدار عزت پر ہے)۔
خوشحال خان خٹک کی خودداری قابل رشک ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

د منت دارو كه مرم پكارم نه دى
كه علاج لره م راشى مسيحا هم

(دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا کر مانگی ہوئی دوا سے اگر تیری جان بچتی ہے تو ایسی دوا بھی قبول نہ کر۔)

علامہ اقبال کی طرح وہ بھی یہی کہتا ہے ؎ اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اُور بورے په منصب په نوكرى شه
چه ترفهم و تر نظر د مغل كك يم

(آگ لگے ایسے منصب اور ایسی نوکری کو جو مغلوں کی نظر میں مجھے اسقدر گرادے کہ میری حیثیت تنکے کے برابر بھی نہ رہے) اسکے نزدیک بے عزتی اور غلامی کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ زربفت۔ کمخواب اور عالی

شان محل بھی غلامی میں میسر ہو تو اسے قبول نہیں۔ محکومیت اس کیلئے زنداں سے بھی بدتر ہے۔ وہ ہبانگ دہل پکارتا ہے کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر غلامی کی حیات جاوداں سے۔

خوشحال کی تمام زندگی ایک دائمی حرکت ایک کشمکش ایک مسلسل جدوجہد ہے۔ خطرات مصائب و آلام سے پُر۔ شکستوں کے باوجود اس کے کلام میں مایوسی، ناامیدی یا فرار کی جھلک تک نہیں۔ بلکہ ہر شعر اور ہر مصرع رجائیت سے پُر ہے۔ شروع سے آخر تک زندگی اپنی تمام سرگرمیوں اور گہماگہمیوں کیساتھ اسکے کلام میں رواں دواں نظر آتی ہے۔ وہ پے در پے شکستیں کھانے اور بھاری نقصان اٹھانے کے باوجود ہمت نہیں ہارتا۔ اسکی فاتحانہ شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ کہتا ہے سونا آگ میں جل کر کندن بنتا ہے۔ لوگ اسے کہتے ہیں کہ اب تم بازی ہار چکے ہو لیکن اس نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور برابر کہہ رہا ہے۔ ؎

که آسمان دِ دَ مزری په خوله کے ور کړه
دَ مزری په خوله کے مَه پر یږده همت

(اگر آسمان تمہیں شیر کے منہ میں ڈال دے تو شیر کے منہ میں بھی ہمت نہ ہار) اور ؎

زه که غره په غره جار اوزم باك اے نشته
تل اِمزری گرزی په لوړے په ژورے

(اگر میں پہاڑوں کے خاک چھانتا پھر رہا ہوں تو اسکی کوئی پرواہ نہیں کہ یہ نشیب و فراز شیروں کے راستے میں آیا ہی کرتے ہیں) غم سے زرد چہرے کو سرخ کرنے کا انوکھا سبق ملاحظہ ہو۔

که مخ دے زیړ وی په دل گیرئی کے
نو ته اَے په دوا ژو سپیړو سور کړه

(اگر تیرہ چہرہ غم سے زرد ہو جائے تو دونوں ہاتھوں سے چانٹے مار مار کر اسے سرخ کر)

خوشحال خان کے رزمیہ کلام کے مطالعہ سے ایک زبردست غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ خوشحال خان کی فطرت جنگجویانہ اور قتل و غارت کی خواہاں تھی یا اسکے دل میں رحم اور عفو کا جذبہ کم تھا۔ لیکن ایسا نہیں۔ یہ غلط فہمی صرف ایک ہی رخ کو دیکھنے سے پیدا ہو سکتی ہے۔ دوسرا رخ دیکھنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگجو اور سخت دل انسان نرمی تہذیب اور شائستگی کا ایک نمونہ ہے جب وہ کہتا ہے۔ ؎

که په صلح کے روزگار شی
سه حاجت په تیغ و تیر

(اگر صلح صفائی سے کام چل سکتا ہو تو تیر اور تلوار کی کیا ضرورت ہے) اس کا نظریہ یہ ہے کہ ؎

اہل شرته دَ شاهین منگل پیدا کڑه
اہل خیروته حلیم شه ترحمامه

(شرپسندوں کیلئے شاہین کے سے پنجے پیدا کر۔ مگر امن چاہنے والوں کیلئے کبوتر کی طرح عاجز بن جا)

وہ ہر جگہ یہی کہتا ہے کہ اگر کوئی تیرا دانت توڑے تو تو بھی اس کا دانت توڑ لیکن جو معافی مانگ لے تو عفو انتقام سے بہتر ہے۔

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ اور جرمن فلسفی نطشے کی طرح خوشحال خان کے زیر نظر بھی ایک ایسے تصوراتی کردار کی تخلیق ہے۔ جو غیور ہو۔ صبور ہو۔ مرد میدان ہو۔ جان نثار ہو ننگ و ناموس پر کٹ مرنے والا ہو۔ خوشحال خان ایسے انسان کو اقبال کے مرد مومن کی طرح مرد یا جوانمرد کے نام سے پکارتا ہے۔ اقبال کے شاہین کی طرح شاہین و شہباز کا استعارہ خوشحال کے کلام میں بھی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اور اس پرندے کی بلند پروازی۔ تیز نگہی۔ درویشانہ طرز زندگی اور دوسروں کا پس خوردہ نہ کھانے کا ذکر اس کے کلام میں جا بجا موجود ہے۔

خوشحال خان کی کتاب 'بازنامہ' اس پرندے کی عادات واطوار پر ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس ضمن میں علامہ اقبال کے اشعار سے خوشحال خان کے اشعار کے نفس مضمون کا توارد قاری کے لئے باعث دلچسپی ہوگا۔ علامہ اقبالؒ کا شعر ہے ؎

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

خوشحال کہتا ہے ؎　زه هغه شهباز شه چه اے زائے په سر درو وی
نه لکه دَ کلی مار غه گر زه غم دَ نس کا

(جا اور وہ شہباز بن جس کا ٹھکانہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوتا ہے۔ نہ کہ بستی کا وہ پرندہ جو سارا دن آبادیوں میں خوراک کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے)

شاہین کے کار آشیاں بندی سے متعلق اقبال نے کہا:

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ
گزر اوقات کرلیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہین کیلئے ذلت ہے کار آشیاں بندی

اور خوشحال خان کہتا ہے ؎

چه نام اے نا پیدا نشان اے نشته

سوك به سه غواڑی د سپینو بازو ہوئے

(ان سفید بازوں کے انڈے کوئی کہاں سے لائے گا۔ جن کے ٹھکانوں کا ہی کسی کو علم نہیں)

خوشحال خان خٹک کے دیوان میں متعدد ایسے اشعار موجود ہیں جو اپنے مرکزی خیال یا مضمون کی ہم رنگی کے باعث اقبال کے اردو یا فارسی اشعار سے معنوی مماثلت رکھتے ہیں۔ خوشحال خان کے کلام سے اقبال کا تعارف انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود اس کی انگریزی میں ترجمہ شدہ ان نظموں کے ذریعے ہوا جو کسی انگریز نے کی تھیں۔ اقبال کی مشہور نظم "خوشحال خان خٹک کی وصیت" انہی نظموں سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔

رزمیہ شاعری کی صنف میں ہومر کی "اوڈیسی" اور فردوسی کے شاہنامہ کے بعد جو نام گنوائے جا سکتے ہیں ان میں خوشحال خان کی رزمیہ نظمیں ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ لیکن انہیں متعارف کرانے کے لئے وہ توجہ میسر نہیں آسکی جس کی وہ متقاضی تھیں۔

سلسلہ مطبوعات موتمر المصنفین (۲۹)

اقتدار کے ایوانوں میں

شریعت بل کا معرکہ

(مولانا سمیع الحق)

ملک کی تاریخ میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کا روشن باب ' ایوان بالا سینیٹ اور قومی سیاست میں نظام اسلام کی جنگ 'آغاز' رفتار کار' صبر آزما مراحل کی لمحہ بہ لمحہ روئیداد اور مستقبل کے لائحہ عمل کے علاوہ خارجہ پالیسی' عورت کی حکمرانی' جہاد افغانستان اور اہم قومی و ملی اور بین الاقوامی مسائل پر فکر انگیز گفتگو اور سیر حاصل تبصرے۔

ملنے کا پتہ: موتمر المصنفین ' دارالعلوم حقانیہ ' اکوڑہ خٹک ' نوشہرہ پاکستان

﴿ الاختر ٹرسٹ انٹرنیشنل ﴾

زیر پرستی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم **محمد اختر** صاحب دامت برکاتہم

جن منصوبوں پر بحمداللہ کام ہورہا ہے

- ☆ مجاہدین فی سبیل اللہ کی مالی اعانت
- ☆ سیلاب زدگان کی بروقت امداد
- ☆ دینی مدارس و مساجد کی تعمیر و توسیع
- ☆ تھر کے قحط زدہ علاقہ میں کنوؤں کی کھدائی کا انتظام
- ☆ ایمبولینس اور میت گاڑی کا انتظام
- ☆ مختلف زبانوں میں دینی کتابوں کی اشاعت اور مفت تقسیم

جن منصوبوں پر کام شروع کرنیکا ارادہ ہے

- ☆ نادار، یتیموں اور مساکین کو قیام، طعام، لباس اور تعلیم کی سہولتیں
- ☆ معذور بے سہارا علماء اور دیندار افراد کیلئے ماہوار وظیفہ کا انتظام
- ☆ کراچی میں ہسپتال اور بلڈ بینک کا قیام
- ☆ غریب بیواؤں اور ستم رسیدہ عورتوں کی کفالت
- ☆ تھر کے آفت زدگان کیلئے میڈیکل سنٹر کا قیام

یہ کام پچھلے کئی سال سے اہل خیر حضرات کے تعاون سے جاری و ساری ہیں لیکن عامۃ الناس کے اصرار پر کہ فلاحی اور رفاہی کاموں میں انکی شرکت کو بھی یقینی بنایا جائے اسلئے اب اسے ایک باقاعدہ ادارہ کی شکل دے دی گئی ہے تاکہ جو چاہے اپنے لئے، اپنے عزیز و اقارب و مرحومین کیلئے آخرت کا سامان پیدا کر سکے۔

چیک اور ڈرافٹ کیلئے : الاختر ٹرسٹ انٹرنیشنل (رجسٹرڈ)۔ اکاؤنٹ نمبر **cd 1961-48** حبیب بینک لمیٹڈ شاہنواز مارکیٹ برانچ، گلشن اقبال کراچی۔ **مرکزی دفتر :** حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم، مہتمم جامعہ اشرف المدارس، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ و جامعہ اشرف المدارس گلشن اقبال ۲، کراچی۔

Ph: 4981958-4975758-4975658 Fax:4967955 | Email Add: alakhtartrust@hotmail.com

برائے رابطہ : ☆ مسجد اشرف سندھ بلوچ سوسائٹی، گلستان جوہر بلاک ۱۲ 8124143 ☆ مسجد حفصہ سورتی مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی، ماڈل کالونی ملیر 4516800 ☆ اشرفی مسجد نزد کلفٹن پلے لینڈ، کراچی ☆ مولانا عبدالرحمان صاحب، جامع مسجد روال ہل پارک، بلاک نمبر ۲ کراچی 4521460 ☆ صوفی شمیم احمد صاحب، نیو شمیم احمد جیولرز، دوکان نمبر 10، علی سنٹر بالمقابل سن شائن سویٹ طارق روڈ، کراچی۔ 4532167 Fax: 4537915 ☆ فیروز عبداللہ میمن صاحب، مری فوڈ انڈسٹری، ایکسپورٹ پروسسنگ زون لانڈھی کراچی۔ 5082212-13 Fax: 5082214 ☆ شفیق سنز، دوکان نمبر ۱۰۱ بوہری بازار، صدر کراچی۔ 5677101, 5673366 ☆ حافظ محمد مسعود صاحب مکان نمبر 10/15 -11-c ناظم آباد ۲، کراچی۔ 6688080 ☆ حافظ عبدالناصر مکان نمبر ۱۰۰، نزد مسجد نور کالج روڈ، محلہ سادھ نوالہ پاک پتن شریف، 0443-2259 ☆ مولانا جلیل احمد اخون صاحب مدرسہ جامع العلوم، عیدگاہ بہاولنگر، 0631-72378, 74100 Fax 74378 ☆ صوفی عبدالمقیم صاحب، یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، جامع مسجد قدسیہ نزد چڑیا گھر شاہراہ قائداعظم، لاہور، 042-6370371, 6373310 ☆ قاری اشرف صاحب، مسجد بیت المکرم، عزیز آباد، میرپور خاص۔ ☆ جناب نصیر احمد صاحب، مدرسہ بیت العلوم، ٹنڈو جان محمد، ضلع میرپور خاص، 0231-68441

ڈاکٹر محمد سفیر

بیجنگ + ۵ کانفرنس تاریخ و مقاصد

نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد

تاریخی پس منظر

مغربی دنیا اور مشرقی معاشرہ میں عورت کے مقام و کردار کے بارے میں مختلف اسلوب رہے ہیں جو بالکل ایک دوسرے کے برعکس ہیں مغرب نے عورت کو خاص نقطہ ء نظر سے دیکھا ہے جبکہ مشرق میں عورت سے متعلق تصوارت اور نظریات تقدیس و تکریم کے حامل تھے خاص طور پر تحریک احیائے علوم کے بعد یورپ نے جب مادی ترقی اور صنعتی ترقی کی طرف قدم بڑھائے تو اس علم میں عورت کا کردار محض ایک ورکر کا تھا اس کے بعد عورت گھر کی چار دیواری کی حد سے باہر نکلی آئی اور دن بدن عورت کا وجود معاشرہ میں بے وقعت ہوتا چلا گیا مغرب نے عورت کو جنس کی تسکین کا ذریعہ سمجھ لیا۔

بیسویں صدی میں مغرب اور امریکہ نے عورت کو اخلاقی طور پر دیوالیہ کر دیا جبکہ مشرقی اقدار و روایات ابھی تک مختلف تھیں مشرق میں عورت ایک خاص مقام کی حامل تھی اور خاندان کی وحدت کی علامت تھی۔ یورپ نے اس معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے مشرقی معاشرے کی عورت سے اسکا عورت پن چھیننے کی منصوبہ بندی شروع کی تاکہ وہ اپنی طرح یہاں کے معاشرتی اور خاندانی نظام کو بھی کھوکھلا کر سکیں اسی ضمن میں تحریک آزادی نسواں کے نام سے یہودی لابی نے مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے عورتوں کی انجمنیں قائم کیں ادھر یورپ اور امریکہ اس منصوبہ بندی میں بھی مصروف رہے کہ کس طرح ہم دنیا کو ایک نظام کے زیر نگیں کر سکتے ہیں انکے مفکرین نے سوچ بچار کے بعد نیو ورلڈ آرڈر کی صورت میں ایک نظام فکر روشناس کرایا اس نظام کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور اس نظام میں عورت کو پیسہ اور دولت اکھٹی کرنے کا ایک ذریعہ اور عنصر قرار دیا۔

اس سلسلے میں دنیا کے مختلف ممالک میں خواتین کے مسائل سے متعلق کانفرنسیں منعقدہ ہوئیں جو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم اور غیر ملکی حکومتی اداروں کے زیر اہتمام ہوئیں۔

اس سلسلے میں جو کانفرنسیں ہوئیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں :

۱۔ عالمی خواتین کانفرنس میکسیکو امریکہ ۱۹۷۵ء

۲۔ عالمی خواتین کانفرنس کوپن ہیگن' ڈنمارک ۱۹۸۰ء۔

۳۔ عالمی خواتین کانفرنس نیروبی' کینیا ۱۹۸۵ء

۴۔ عالمی بہبود آبادی کانفرنس۔ قاہرہ' مصر ستمبر ۱۹۹۴ء

۵۔ عالمی خواتین کانفرنس بیجنگ' چین ۱۶ ستمبر ۱۹۹۹ء

۶۔ ایشیاء کی کانفرنس بنکاک' تھائی لینڈ ۲۶ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۹

۷۔ چھٹی افریقی ممالک کی کانفرنس برائے خواتین ادیس ابابا' ایتھوپیا' بمورخہ ۲۲ تا ۲۹ نومبر ۱۹۹۹ء

۸۔ دوسری عربی کانفرنس بیروت' لبنان دسمبر ۱۹۹۹ء

۹۔ یورپی کلچرل کانفرنس جینوا' سویٹزرلینڈ ۱۹ تا ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء

۱۰۔ آٹھویں وسطی ولاطینی امریکی کانفرنس لیما پیرو ۸ تا ۱۰ فروری ۲۰۰۰ء

۱۱۔ بیجنگ کانفرنس نیویارک ۵۔ ۹ جون ۲۰۰۰

ان تمام کانفرنسوں میں عورت اور اسکی شخصیت وکردار کے بارے میں مختلف مباحث اور اہداف طے کئے جاتے رہے اور اس میں بنیادی طور پر قدیم یونانی فلسفہ کے مطابق "تہذیب" کی حد یہ ہے کہ عورت ہو جائے اور عورت کی ترقی کی حد یہ ہے کہ طوائف بن جائے' کا رویہ اختیار کیا گیا۔

عالمی بہبود آبادی کانفرنس قاہرہ ہو یا اس کے بعد بیجنگ میں منعقدہ خواتین کانفرنس اد دونوں کیمقاصد بالترتیب ہوں سامنے آئے۔

اول الذکر کے بعد کنڈوم کلچر کو عام کرنے کی مہم تیز کی گئی جبکہ ثانی الذکر کا بنیادی مقصد عورت کے بنیادی حقوق کا تحفظ رکھا گیا جس کے ضمن میں جو سیاسی ایجنڈا طے پایا وہ کچھ اس طرح سے ہے۔

ضبط و تولید کی آزادی' خواتین کو اسقاط حمل کی اجازت ہم جنس پرستی کو قانونی حیثیت دینے اور خواتین کو مسلمہ مذہبی و معاشرتی روایات کے علی الرغم بے محابا آزادی دینے کے معاملات شامل تھے۔

خاندانی نظام کو ختم کرنے کی مسلسل جدوجہد

Women 2000 کانفرنس یا بیجنگ + ۵ کانفرنس

اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی کے جاری کردہ سرکلر ۲ / ۱۰۰' بمورخہ ۷ ۹ / ۱۲ / ۱۲ اور ۵۲ / ۲۳' بمورخہ ۸۸ / ۴ / ۶ میں جولائی ۱۹۸۵ء میں منعقد ہونے والی خواتین سے متعلق کانفرنس کی پیش رفت کے بارے میں چند معلومات کو جمع کرنے کی تلقین کی گئی اور اسکے علاوہ ان خطوط میں ۱۵ ستمبر ۱۹۹۵ کو بیجنگ میں ہونے والی

کانفرنس میں طے پانے والے امور کے نفاذ کے بارے میں بھی پوچھا گیا اور اس کانفرنس کے اہداف پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی گئی۔

اسی سرکلر میں حکومتوں سے "کمیٹی برائے عورت مرکز" کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ اپنے ممالک میں تمام حکومتیں منصوبہ بندی اور پلاننگ کریں اور اپنی تجاویز و منصوبہ بندی مرکز کو ارسال کریں۔

اکتوبر ۱۹۹۸ء میں اقوام متحدہ نے ایک فارم حکومتوں کو بھیجا جس میں بیجنگ کانفرنس میں طے پانے والے امور سے متعلق سوالات کئے گئے تھے اور اس میں یہ بھی کہا گیا کہ جو اعتراضات اس ضمن میں درپیش ہوں انکو بھی جمع کر کے ارسال کیا جائے۔

ان جوابات کو بھیجنے کے لئے اپریل ۱۹۹۹ء کے آخر تک کا وقت مقرر کیا گیا مگر جوابات میں تاخیر ہوئی دسمبر ۱۹۹۹ء میں ۱۳۵ جوابات مرکز میں موصول ہوئے جبکہ ۱۸۹ جوابات کو موصول ہونا چاہیے تھا۔

اسکے بعد دوسرا مرحلہ طے کیا گیا تو اسوقت مئی ۲۰۰۰ء میں ۱۴۷ جوابات موصول ہوئے منصوبہ بندی والے جوابات کی تعداد ۱۱۹ رہی۔ اس پروفارمہ میں تین محور تھے۔

محور اول : اس میں دو جنسوں کے درمیان مساوات اور عورت کی فوقیت و برتری کی طرف زور دیا گیا۔

محور دوئم : اس میں مالی معاونت کے لئے تنظیمات اور اداروں کا قیام اور فروغ شامل ہے جو عورتوں کے مسائل اور آزادی کی علمبردار ہوں۔

محور ثالث : درج ذیل امور کو اولیت دینا

۱۔ عورت اور غربت ۲۔ عورت کی تعلیم

۳۔ عورت اور حفظان صحت ۴۔ عورت اور تشدد

۵۔ عورت اور مسلح تصادم ۶۔ عورت اور معاشی عدم مساوات

۷۔ عورت اور حکومت ۸۔ عورت کے انسانی حقوق

۹۔ عورتوں کی تعمیر و ترقی کے اداروں میں ۳۳ فیصد نمائندگی

۱۰۔ عورت کے ذرائع ابلاغ ۱۱۔ عورت اور معاشرہ ۱۲۔ چھوٹی بچی

اس کانفرنس میں دو اقسام کی کوشش کی گئی جو ماضی کے تسلسل سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں قابل ذکر یہ ہیں : ایک رپورٹ تیار کی گئی جو تین اقسام پر مشتمل تھی :

۱۔ بیجنگ کانفرنس کی عام صورتحال پیش کرنے والی

۲۔ اس کانفرنس میں طے پانے والے امور کیلئے کی جانے والی کوششوں کی تفصیل و وضاحت کرنے والی

۳۔ اس میں نئے مسائل اور نئے افق کے تعین کے اہداف متعین کرنے والی اس سلسلے میں نیویارک میں ۳ تا ۱۷ مارچ کانفرنس ہوئی جو ۸۴ پیراگرافوں پر مشتمل ہے۔

بیجنگ + ۵ کے لئے بین الاقوامی کی ایک تنظیم بنائی گئی جو مستقبل کی منصوبہ بندی کرنے کا کام کرے گی۔ یہ "DAW" جو کہ عورتوں کی آزادی کی علمبردار تنظیم ہے اس کے ماتحت کام کرے گی اور اس کا اجلاس ۸ تا ۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء بمقام بیروت ہو چکا ہے اور اس میں تمام دنیا سے لوگ شریک ہوئے اس کا موضوع بیجنگ + ۵ مستقبل میں کرنے کا فوری کام تھا۔

اس کے علاوہ "اسقاط حمل کی عالمگیریت میں اس کے آثار و نوعیت" کے حوالے سے بھی بحث ہوئی۔

اس ہی سلسلے کی ایک کڑی انٹرنیٹ پر "Watch Women" کی ویب سائٹ ہے جو عورتوں کے بارے میں بین الاقوامی تحقیقی ادارے "Instraw" اور اقوام متحدہ کے ادارے "Unifem" کی معاونت سے چل رہے ہیں۔

اس طرح ملکی سطح پر ایک نئے سلسلے کے آغاز کا پروگرام ہے جیسے Women Action 2000 کا نام دیا گیا ہے۔

اس کانفرنس میں ان تنظیمات اور اداروں کے اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی گئی تاکہ بیجنگ کانفرنس کے اہداف حاصل کئے جا سکیں۔

بیجنگ + ۵ کی سوچ

اس کانفرنس کے آخر میں ایک موضوع "جنس کے اعتبار سے قربت یا مساوی پن" پر بھی بحث کی گئی۔ اس کا مقصد عورت اور مرد کے حیاتیاتی تصور تخلیق کا جائزہ لینا ہے جس میں ان کے باہمی جنسی و معاشرتی تعلق کی محدودیت تک نہیں رہنا بلکہ انہیں برابر و مساوی سطح تک لانا ہے اور ان کے حیاتیاتی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کو ثقافتی اور معاشرتی طور پر محدود کرنا ہے۔

اس وقت یعنی ۱۸ اور ۱۹ جون کو دنیا دو قطبوں میں تقسیم ہو گئی ایک طرف مغربی ممالک، یورپی اتحاد، امریکا شامل ہیں دوسری طرف بعض اسلامی ممالک اور کیتھولک ممالک شامل ہیں۔

پہلے قطب والے جنسی تعلیم کے قائل ہیں۔

اسقاط حلم کی اباحیت کے قائل ہیں۔

جنسی آزادی اور ہم جنس پرستی کے قائل ہیں۔

نومبر ۱۹۹۹ء میں پیرو میں ہونے والی کانفرنس جس کا عنوان تھا "بیجنگ + ۵ کام جن پر فوری عمل کی ضرورت" اس میں درج ذیل مباحث و موقف اختیار کیا گیا۔

ایسا نظام جس کی بنیاد مرد و عورت میں مساوات پر ہو اور یہ ملکی سطح سے شروع ہو کر بین الاقوامی سطح

تک پہنچ جائے (رپورٹ صفحہ ۴)

- مرد کی اجارہ داری اور جنس برتری ابھی تک ہماری راہ میں رکاوٹ ہے ہمیں اس مسئلہ میں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ (رپورٹ صفحہ ۷)

- بہت مواقع پر مرد اور عورت سے متعلق جنس کے موضوع پر مردوں سے سوالات اور بحث کی فضاء بنائی جائے اور اس بات پر غور کرتے ہوئے مردوں کا اجارہ داری کم کرنے کے نئے اور جدید طریقے دریافت کئے جائیں اور ''نظام ابویت'' کو نئے سرے سے متعارف کرایا جائے (رپورٹ صفحہ ۸)

- تمام حکومتی اور غیر حکومتی تنظیمات' سیاسی جماعتوں' ذرائع ابلاغ میں' مساوات مرد و زن کے موضوع کو زیادہ سے زیادہ زیر بحث لایا جائے۔ (رپورٹ صفحہ ۱۰)

مساوات مرد وزن ترقی اور امن برائے اکیسویں صدی

۵ تا ۹ جون ۲۰۰۰ بمقام نیویارک

نئے بنیادی خاکہ کے اعلان پر دستخط جس میں چال چلن' ضابطہ اخلاق اور ازدواجی معاملات سے متعلق اقوام متحدہ کی ہدایات درج ہیں۔

ایسی دستاویزات جن میں جنسی رحجان Sex Orienation کی بناء پر امتیاز برتنے کی مذمت کی گئی ہے نمبر پیرا 201h میں ہے۔ ''ایسے قوانین اعمال اور قواعد و ضوابط کو فروغ دیں ان کی تعمیل کرائیں جن سے جنس، نسل یا زبان' مذہب یا عقیدہ' معذوری' عمر یا جنسی رحجان کی بناء پر پائی جانے والی تفریق کی نفی ہو اور اس کا خاتمہ کیا جاسکے۔''اس کو آخری شکل میں یوں جاری کیا جارہا ہے۔

''j 102 جنسی رحجان کی بناء پر پائی جانے والی تفریق کو ختم کرنے کے لئے کاروائی کریں۔ ایسے قوانین پر نظر ثانی کریں یا انہیں منسوخ کریں جو ہم جنسی کو جرم قرار دیتے ہیں اس لئے کہ ایسے قوانین سے جو فضاء پیدا ہوتی ہے اس میں ان عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک اور تشدد کو ہوا ملتی ہے جو نسوانی ہم جنسیت میں ملوث ہیں یا ملوث ہوسکتی ہیں لہذا ان کے خلاف اس طرح کے تشدد اور اذیت کا تدارک ضروری ہے یہاں بغیر کسی وضاحت کے یہ بھی درج ہے کہ مختلف سماجی' سیاسی' اور معاشرتی حلقوں میں لوگوں نے کئی طرح کی گھریلو زندگی اختیار کررکھی ہے جو لوگ اقوام متحدہ کی بولی سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ''کئی طرح کی گھریلو زندگی'' سے مراد ہم جنس عورتیں (Lesbians) ہم جنس مرد (Gays) اور غیر شادی شدہ جوڑے ہیں۔ انہیں عورتوں کا کتنا غم ہے کہتے

ہیں۔ عورتوں کو محنت مزدوری اور گھریلو کام کاج کے علاوہ افزائش نسل کا جو دہرا کام کرنا پڑتا ہے اس کا اعتراف نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ دنیا میں عورتوں پر کام کے زیادہ بوجھ اور ان کے ساتھ غیر مساویانہ شراکت پر مستزاد مسلسل بڑھتے ہوئے بلا معاوضہ کام کے بوجھ اور بچے پیدا کرنے کا اجرت سے محرومی کا سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آرہا عورتوں میں غربت کم کرنے کی جو بھی کوشش کی جاتی ہے وہ غیر موثر ثابت ہوتی ہے لہذا اب وقت آگیا ہے کہ عورتوں کو گھر کے کام کاج اور افزائش نسل کے کام کو پورا معاوضہ دیا جائے"

خواتین اور جنسی کارکن "Sexual Workers" کے حقوق کی پاسداری کی بھی باتیں کی جارہی ہیں۔

تعلیم نسواں کے پیچھے محرک اور انہیں گھر کا کام کاج نہ کرنے پر انہیں یوں اکسایا گیا ہے۔

عوام کو آگاہ کرنے کے لئے ایسے پروگرام ترتیب دیئے جائیں جن سے مرد و زن کی گھریلو ذمہ داریوں اور کام کاج میں مساوی شرکت کے اصول پر رائے عامہ ہموار ہو۔"

پیر نمبر 56M ، 103C میں ہے "فیملی کورٹس قائم کئے جائیں اور قانون سازی کی جائے جو ایسے فوجداری معاملات کا جائزہ لے جن کا تعلق گھریلو تشدد بشمول ازدواجی زنا بالجبر (Marital Rape) اور جنسی تشدد سے ہو اور ایسے معاملات میں فوری انصاف مہیا کیا جائے۔"

اقوام متحدہ کی کاروائی عورت کو زنا' فحاشی اور اسقاط حمل کے حق سے نوازنے کے مترادف ہے اور اس کے بارے میں ان کے نزدیک ابھی کافی "پیش رفت" کے باوجود کام باقی ہے کیونکہ بیجنگ ڈیکلریشن کے پیراگراف ۹۵ کے مطابق عورتوں اور لڑکیوں کے افزائش نسل کے حقوق کو عام انسانی حقوق کا درجہ حاصل نہیں ہوسکا۔ مختلف معاشرتی تحفظات کے خاتمہ کا مطالبہ بھی کیا جارہا ہے۔

152d کے مطابق عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمہ کے لئے کئے گئے معاہدہ پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں اس بارے میں آپ کے جو تحفظات ہیں انہیں کم کردیں اور معاہدہ سے مطابقت نہ رکھنے والے تحفظات واپس لیں۔

بیجنگ کانفرنس کے مندرجات کے نفاذ کا حاصل

اس کانفرنس سے متعلق جو رپورٹ تیار کی گئی ہیں اس کے پیراگراف کی تعداد کو تین اقسام میں دیکھا جاسکتا ہے اور اس دوسری قسم کو بہت اہمیت دی جارہی ہے اور وہ ہے بھی بہت اہم جو کہ اس کانفرنس کے ان بارہ نکات پر ابھرنے والے اعتراضات کے علاوہ ان نکات کی تنفیذ کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

رپورٹ کا اختتام مستقبل کے حوالے سے پیش آنے والے چیلنج اور اس کی منصوبہ بندی پر مشتمل ہے۔ اسکے بنیادی مسائل کیا ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

شادی سے متعلق دولت و ثروت اور طلاق اور شادی میں تاخیر کا قانونی حق کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ۱۹ پیراگراف ۴۸۔ معاشرتی 'ثقافتی سطح پر عورت کی حمایت میں بات کی جائے اور اس پر تشدد 'تعداد ازواج' مرد کی اجارہ داری وغیرہ جیسے معاملات کو چھیڑا جائے پیراگراف ۱۰۰'۱۰۲۔

اسقاط حمل کے بارے میں مختلف ممالک میں قانون سازی کی جائے پیراگراف ۲۴۹ غیر سرکاری تنظیمات کی زیادہ سے زیادہ تعداد اور ترقی کا فروغ اور اسکے ذریعہ بیجنگ کانفرنس کے ایجنڈے کا نفاذ۔ (پیراگراف ۴۶۴'۴۶۸)

اس سلسلے میں عالمی بینک 'افریقی بینک 'یورپی بینک نے بہت بڑی تعداد میں رقم مختص کی ہے جو صرف بیجنگ کانفرنس کے ایجنڈا کے فروغ کے لئے دی جائے گی۔

بیجنگ + ۵ کانفرنس کے نتائج

اقوام متحدہ کو ماضی کے پانچ کام کرنے اور اس راہ میں حائل رکاوٹوں کا ادراک ہو گیا ہے اور آئندہ آنے والے پانچ سالوں کی پابندی بھی کرلی گئی ہے۔ اب انہیں جس چیلنج کا سامنا ہے وہ تین اجزا پر مشتمل ہے۔

مساوات مرد و زن 'بہبود' سلامتی 'اور اسی میں تمام نکات آجاتے ہیں جو بیجنگ کانفرنس میں طے کیے گئے ہیں۔ عالم اسلام اور کیتھولک چرچ کے شدید احتجاج پر اس کو "انسان کے بنیادی حقوق" کا نام دے دیا گیا ہے۔ بیجنگ + ۵ کانفرنس اقوام متحدہ کے خصوصی کمیشن کا نام ہے۔ جسکا مقصد ایسی تحریکوں کا احیاء ہے جس کے تحت بے حیائی اور اخلاقی باختگی کو فروغ حاصل ہو اس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مندوبین سرکاری طور پر اور ۲۵ ہزار خواتین غیر سرکاری طور پر شریک ہوئیں۔

- جنس 'نسل 'مذہب 'عقیدہ جسمانی معذوری' عمر یا جنسی رجحان کی بنیاد پر امتیاز کی ممانعت کرنے اور ختم کرنے کے لئے قوانین کی تیاری اور ان کا نفاذ کرنا (H-120)
- وہ قوانین جو ہم جنس پرستی کو جرم قرار دیتے ہیں ان کا جائزہ لینا اور انہیں منسوخ کرنا J-120
- خواتین پیداواری اور تولیدی 'دونوں سرگرمیوں میں مصروف ہیں اس لئے انہیں گھریلو کام اور تولیدی کام دونوں کا معاوضہ ملنا چاہیے تاکہ دنیا سے غربت ختم ہو سکے۔ J -101
- طوائفوں کو جنسی کارکن کا خطاب دینا اور انکے حقوق کے تحفظ کے لئے دنیا کو اپنے احکامات سے مجبور کرنا J-102۔
- گھریلو ذمہ داریوں کا شماریاتی تجزیہ ممکن ہونے کی بنا پر خواتین پر نامناسب بوجھ پڑنے کی وجہ سے جو م توازن ہے اس کے لئے قانون سازی کی کوشش کرنا J-103
- گھریلو کام کرنے سے انکار پر ابھارنا۔

- ازدواجی عصمت دری کے لئے عدالتیں قائم کرنا
- عائلی تشدد اور جنسی بد سلوکی جیسے مجرمانہ معاملات کے لئے قانون سازی کرنا (M56,6 -103)
- قومی سطح پر قانونی اور انتظامی اصلاحات کے ذریعے عورتوں کو معاشی وسائل ' جائیداد اور حقوق وراثت ایسے تمام معاملات میں مردوں کے مساوی حقوق دینا۔
- عورتوں کو زنا اور اسقاط کا قانونی حق دینا۔
- خواتین کے خلاف ہر طرح کا امتیازی سلوک ختم کرنا (D-102)
- خواتین کے سلسلے میں تمام موجودہ اور مستقبل کی قانون سازی کا جائزہ لینا تاکہ اس کنونشن سے مطابقت اور مکمل تعمیل کو یقینی بنایا جائے (E-102)

اس کانفرنس میں طے کئے گئے بارہ نکاتی ایجنڈوں کی توثیق اقوام متحدہ سے ہونے کے بعد تمام ممبر ممالک پر حتماً نافذ کرنے کا پروگرام تھا اسکی خلاف ورزی پر اقوام عالم ''مجرم ملک'' کے خلاف ایکشن لینے کی مجاز قرار دی گئی تھیں۔

کانفرنس کے درپردہ مضمرات

- امریکہ نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعے اپنے ممکنہ حریف اسلام کا کردار ختم کرنا چاہتا ہے۔
- ملٹی نیشنل کمپنیوں کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے مغرب کو ہر جگہ سستی لیبر اور خام مال چاہیے۔ مرد و عورت کی تمیز ختم کر کے ہی یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے ساتھ ہی مزاحمت کرنے والی دینی قوت بھی غیر موثر ہو کر رہ جائے۔

اب ان حالات میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جب Women's Empowerment کا ہائیڈروجن بم جو پھٹے گا تو انسانیت کے ذرات فضاؤں میں اڑیں گے۔

اور ان ہی ذرات کا اثر ہے کہ ہیلری کلنٹن کا کہنا ہے کہ امریکہ کی نوجوان لڑکیوں کا سب سے بڑا مسئلہ قانونی طور پر منعقدہ شادی سے پہلے ہی ان کا ماں بن جانا ہے (روزنامہ جنگ ۲۵ مارچ ۱۹۹۵)

بل کلنٹن نے بھی امریکی معاشرے کی تباہی کا رونا روتے ہوئے بیان دیا کہ ''روحانیت کا فقدان امریکہ کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے'' (۱۹۶۱ اکتوبر اکانومسٹ)

ان تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے چین' کیتھولک ممالک اور مسلم ممالک نے اس کو شدید مخالفت کی ہے اور اس تمام تر کوشش کو جنسی بے راہ روی اور اباحیت کے فروغ کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

اب اگر ان تینوں گروہوں کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کیتھولک چرچ کی مخالفت سب سے زیادہ اہم اور قابل

توجہ ہے اگر عیسائیت کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو عیسائیت نے تعلیمات عیسوی کو چھوڑ کر آزادی کی راہ اختیار کی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیت اپنا اصل وجود تک کھو بیٹھی اور ہر برائی افراط و تفریط نے اس میں جگہ بنالی یہی نہیں بلکہ اخلاقی تعلیمات کا بھی سرے سے وجود ختم ہو گیا اور عیسائی معاشرے جنس پرستی اور ہوائے نفس کا شکار بن گئے اور آج اگر کیتھولک چرچ اس بات کی مخالفت کر رہا ہے تو اس میں ہم مسلمانوں کے لئے عبرت و نصیحت کے کئی پہلو موجود ہیں جنہیں اگر سمجھا نہ گیا تو پھر ہمارے معاشرے بھی بد اخلاقی اور لا باحیت کا شکار ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے ہمارے معاشروں میں جس طرح عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑنے والے ادارے جو عورت کو چادر اور چار دیواری میں نہیں دیکھ سکتے انہیں سر بازار رونق جہاں بن دینا چاہتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ہمارا میڈیا اس میں ان کا بھر پور ساتھ دے رہا ہے اور خاندانی منصوبہ بندی 'کنڈوم کلچر' ایڈز کے بچاؤ سے متعلق ایسی چیزیں روشناس کرا رہا ہے جو بہتری کے بجائے مزید خرابی پیدا کر رہی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت کے مقام کا تعین کیا جائے اور ہمارے معاشرے میں جس کو مکمل اسلامی معاشرہ نہیں کیا جا سکتا اس میں عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا ازالہ کیا جائے اور اسلام نے عورت کو جو مقام دیا ہے وہ اس کو دیا جائے اور اغیار کے کلیہ کو اختیار نہ کریں کیونکہ ایسا کرنا بالکل ایسا ہے جیسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا جائے۔

اور یہ بات طے ہے کہ عورت پر مرد کو قوام اگر بنایا گیا ہے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام سرے سے عورت کی صلاحیت سے ہی منکر ہے ایسا نہیں۔

بلکہ بقول اقبال : نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد

پس عالم اسلام کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی بین الاقوامی سطح کے فورم بنائے جہاں پر "عورت اور اسلام کی تعلیمات" جیسے موضوعات پر اہل قلم کو غور و فکر اور مستقبل میں اس کے بارے میں ممکنہ صورتحال کو مد نظر رکھتے ہوئے عالم اسلام ہی کو نہیں مغربی دنیا کو بھی یہ باور کرادے کہ اس منصوبہ بندی پر عمل کرتے ہوئے ہم عورت کو اس جائز اور عورت کے شایان شان مقام پر فائز کرنا چاہتے ہیں اور مغرب کو اس معاملے میں تقلید پر مجبور کریں کہ ہم بھیڑوں کی صورت مغرب کی تقلید کا شعار اختیار نہیں کریں گے۔ رسول اللہ نے فرمایا جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہے اگر ہم نے ایسا کیا تو پھر ان کے جراثیم سے بچ نہیں سکیں گے آئیں ہم ان سے اثر لینے کی بجائے ان پر اثر انداز ہونے کا عزم کر لیں یقیناً کامیابی ہماری ہوگی۔

مولانا محمد ابراہیم فانی

تعارف و تبصرہ کتب

کتاب : اشرف التفاسیر (چار جلدیں) حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کی تصنیفات و مواعظ سے منتخب تفسیر الکات
مرتبین : صوفی محمد اقبال قریشی و مولانا محمد اسحاق صاحب ملتانی۔
تقدیم و کاوش : مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب۔ ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ' بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ نے علوم و فنون میں جو جامعیت ودیعت موھبۃ کی ہے اس کے لئے کسی دلیل و حجۃ قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ مختلف علوم میں آپ کی تصانیف و تالیفات اور جمع کردہ مواعظ وارشادات جن کی تعداد دوہزار کے لگ بھگ ہے شاہد عدل ہیں۔ اساسی علوم تفسیر و حدیث اور فقہ وکلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ جو ید طولیٰ اور مہارت آپ کو دیگر علوم وفنون میں عطا فرمائی ہے۔ آج اس کے فیض سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے۔ لیکن ان تمام علوم سے صرف نظر کرتے ہوئے جب آپ کی تفسیری خدمات پر توجہ دی جائے تو عقل و دانش اور فکر و تدبر ورطہ حیرت میں پڑ جاتے ہیں اور اللہ کی اس آخری کتاب کے بارے میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ لا تنقضی عجائبہ اوربحر لاساحل لہ ' آپ کے تفسیری نکات پڑھ کر ان امثال واقوال پر یقین پختہ تر ہو جاتا ہے اہل ذوق حضرات کے لئے آپ کی تفسیر بیان القرآن ایک عطیہ قدرت تو ہے ہی۔ لیکن زیر تبصرہ کتاب اشرف التفاسیر کے نکات و حقائق اور معارف ودقائق دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ مصرعہ آجاتا ہے کہ

ع　　وہ دریا کیسا ہوگا جس کے قطرے یہ سمندر ہیں۔

یہ تفسیری نکات درحقیقت ہزارہا صفحات پر مشتمل کتابوں اور مواعظ کی ورق گردانی کے بعد گویا سمندروں کی پہنائیوں سے لعل و گوہر چن چن کر ان سے ایک بیش قیمت و بے بہا مالا بنایا گیا ہے۔ جس میں حضرت مولانا جسٹس محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ کا خونِ جگر شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اجر جزیل سے نوازیں۔ جنہوں نے اپنی جگر کاوی سے ایک ایسا مرقع تیار کیا جس کی افادیت ہر دور میں مسلّم رہے گی۔

چنانچہ علامہ محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں :

"عرصہ دراز سے احقر کی یہ خواہش تھی کہ مواعظ و ملفوظات میں منتشر ان تفسیری نکات کو یکجا مرتب

کر کے سورتوں کی ترتیب سے ان کا مجموعہ شائع کیا جائے لیکن مواعظ و ملفوظات کے سمندر سے (جو تقریباً ۳۵ / ۴۰ ضخیم جلدوں پر محیط ہیں) ان جواہر کی تلاش وانتخاب اور ان کی ترتیب و تدوین بڑا محنت طلب کام تھا جس کے لئے مدت درکار تھی۔ اپنی شدید مصروفیات کی وجہ سے احقر کو براہ راست یہ کام شروع کرنے کی تو ہمت نہ ہوتی لیکن احقر نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ احقر روزانہ حضرت کے مواعظ میں سے جس تھوڑے سے حصے کا معمولاً روزانہ مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اس میں ایسے تفسیری نکات پر نشان لگا لیتا تھا خیال یہ تھا کہ اس طرح آہستہ آہستہ تمام مواعظ میں سے ایسے مقامات منتخب ہو جائیں گے پھر انہیں نقل کرا کر سورتوں کی ترتیب سے مرتب کر لیا جائیگا۔ اور پھر یہ مجموعہ شائع کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ذہن میں یہ تجویز بھی تھی کہ بعد میں اس مجموعہ کا عربی میں بھی ترجمہ کیا جائے۔ اسی طرح بڑی سست رفتاری سے سہی لیکن بفضلِ تعالیٰ احقر کے پاس حضرت کے تقریباً ایک سو تیس مواعظ تیرہ جلدوں میں تفسیری نکات پر نشانات لگ گئے اور اپنے بعض رفقاء کی مدد سے احقر نے انہیں نقل کرانا بھی شروع کر دیا۔ اس دوران برادر محترم جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مد ظلہ نے احقر کو بتایا کہ انہوں نے بھی اس قسم کا کام شروع کیا ہے۔ احقر کو اس بات سے خوشی ہوئی اور احقر نے اپنا کیا ہوا کام ان کے حوالے کر دیا۔ اس طرح الحمد للہ تقریباً ساڑھے تین سو مواعظ سے ان تفسیری نکات کا انتخاب تیار ہو گیا۔"

مولانا موصوف نے بڑی عرق ریزی سے ان تمام نکات کو قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب پر مرتب فرمایا۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ احقر کا کام صرف مواعظ کی حد تک محدود تھا مولانا نے ملفوظات سے بھی اس کا انتخاب کیا ہے۔

اسی طرح مولانا محمد اقبال قریشی صاحب نے بھی آپ کے مواعظ سے تفسیری نکات یکجا کئے تھے۔ اور اس کا معتد حصہ ماہنامہ صدائے اسلام پشاور میں بالاقساط شائع کرایا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد اسحاق صاحب نے اپنا تیار کردہ مسودہ ان کو حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے قرآنی سورتوں کے مطابق آیت نمبر بھی درج کر دیئے۔ اور تفسیری نکات کے مطابق ذیلی عنوانات بھی قائم کر دیئے۔ اب یہ بیش قیمت سوغات اہل علم حضرت کے لئے چار جلدوں میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہے۔ ابتداء میں مورخ اسلام مولانا سید سلیمان ندوی کا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ کی خدمات قرآنی کا اجمالی تعارف کے عنوان سے ایک فاضلانہ اور محققانہ مقدمہ ہے جو کہ بذات خود ایک بہت ہی معلومات افزاء اور حرز جاں رکھنے کے قابل ہے۔

اس طویل پس منظر کے حوالے سے ہمیں امید ہے کہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا اور علوم القرآن میں یہ ایک انتہائی عمیق ولطیف اور دقیق پر از لطائف و حقائق اضافہ ہے اللہ اس کے جامعین و مرتبین اور ناشرین کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

کتاب : متاعِ وقت اور کاروان علم تالیف : مولانا ابن الحسن عباسی
ناشر : مکتبہ عمر فاروق جامعہ فاروقیہ فیصل کالونی کراچی نمبر ۲۵

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہ کو اللہ نے سیال و سحر طراز قلم اور انوکھے پر تاثیر تحریر سے نوازا ہے الحمدللہ آپ نے انتہائی قلیل مدت میں دنیائے ادب میں وہ مقام حاصل کیا۔ جس کے حصول کے لئے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف النوع موضوعات پر آپ کی کئی علمی و ادبی کاوشیں جو صحیفہ وجود پر جلوہ گر ہوئیں وہ ہاتھوں ہاتھ لی گئیں اور مشاہیر امت نے اس پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کئے۔

زیر تبصرہ کتاب جس پر ہمارے بڑے اکابر نے جن کی وقیع آراء کا اظہار کیا ہے وہ اسکی مقبولیت کی ایک بین اور واضح دلیل ہے متاع وقت اور کاروان علم گو کہ ایک موضوع پر لکھی گئی کتاب ہے مگر یہی ایک موضوع اپنی تنوع و وسعت کے لحاظ سے بیسوں عنوانات پر محیط ہے۔ مصنف انتہائی داد و تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے گویا دریا بکوزہ اندر کے مصداق اس طویل الذیل اور وسیع المجال موضوع کو انوکھے انداز اور البیلے طرز میں سمیٹا ہے۔ جس کے مطالعہ سے انسان کو احساس زیاں کی شدت تڑپاتا ہے اور بار بار دل و دماغ پر اس کی نرالی تحریریں ضربیں لگاتی ہوئی آنکھیں نم آلود کرتی ہیں۔ اس کی کشش کا یہ عالم ہے کہ قاری اس کے مطالعہ میں محو ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ایک ملکوتی دنیا میں کھو جاتا ہے جو کہ ناشنائے حدود و ثغور۔ مضامین کی ندرت اشعار کے بر محل استعمال اور زبان و بیان کی چاشنی نے متاعِ وقت اور کاروانِ علم کو علمی ادبی اور تحقیقی دنیا میں ایک ارفع مقام سے نوازا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مصنف کی یہی تحریریں کاوشیں جاری و ساری ہوں اور ایک عالم اس سے مستفیض اور مستیز ہو۔

کتاب : ماہنامہ الرشید لاہور زیر ادارت : مولانا عبدالرشید ارشد صاحب
اشاعت خصوصی سیرت النبیؐ اور غلامان محمدؐ سید ابوالحسن علی ندوی و محمد یوسف لدھیانوی شہید
ضخامت : ۴۹۶ قیمت : ۲۰۰ روپے پتہ : ۲۵ لوئر مال لاہور۔

محترم عبدالرشید ارشد صاحب مدیر الرشید کو اللہ تعالیٰ نے جو ہمت دی ہے وہ قابل رشک ہے۔ اس لئے کہ مختلف اوقات میں آپ نے الرشید کے جو ضخیم نمبرات نکالے ہیں کسی بھی دینی رسالہ کو اتنی توفیق ارزانی نہیں کی گئی۔ پھر تعجب خیز امر یہ ہے کہ اتنے عظیم اور صبر آزما کام کا بیڑا انہوں نے بغیر رفقائے کار کے تنہا اٹھایا ہے حالانکہ اس قسم کے ضخیم اور عظیم علمی و تاریخی نمبرات نکالنے کے لئے ایک ٹیم کی ضرورت

ہوتی ہے جن کے ذمہ مختلف امر نمٹانے ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ زیر تبصرہ نمبر سیرت النبی ﷺ اور آپؐ کے دو وفا کیش غلاموں کے متعلق ہے یعنی مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ۔ حصہ سیرت میں مدیر کا اپنا مضمون سیرت کا پیام عبدالرحمان عزیز الہ آبادی کا مضمون رسول اللہؐ کی حیات طیبہ ماہ و سال کے آئینہ میں اسی طرح مولانا عبدالرحمان کیلانی کا مقالہ نبی کریمؐ پر قاتلانہ حملے اور سازشیں اور دیگر قابل قدر مضامین ہیں۔ ہم مدیر محترم کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہیں کہ کتنا اچھا ہوتا اگر سیرت النبیؐ پر مستقل نمبر آتا۔ یا کم از کم اسی ایک نمبر میں اس کی ضخامت زیادہ ہوتی۔

اس کے بعد مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ پر مضامین و مقالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت علی میاںؒ کے سانحہ ارتحال کے فوراً بعد الحق نے آپ پر ایک مختصر مگر جامع نمبر نکالا۔ جس کی علمی حلقوں میں پذیرائی ہوئی۔ زیر تبصرہ الرشید نمبر میں اس سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ موجودہ نمبر میں جناب یحییٰ النعمانی کا طویل ترین مضمون جو کہ صفحہ ۷۰ سے صفحہ ۱۲۸ تک محیط ہے جس میں حضرت علی میاں کی شخصیت کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ مدیر کے قلم سے اس حصہ میں واردات و مشاہدات کے زیر عنوان جو تاثرات آئے ہیں اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اگر اس کو ادبی اور تاریخی شہ پارہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اور اس کے مطالعہ میں جو چاشنی ہے اہل ذوق اس سے حظِ وافر حاصل کر سکتے ہیں۔

تیسرے حصہ جو مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے متعلق ہے میں مدیر کے قلم سے واردات و مشاہدات کے زیر عنوان طویل مضمون ہے جو کہ تقریباً ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں گویا مدیر نے رفاقت کا حق ادا کیا ہے۔ بندہ کی ذاتی رائے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر اس میں اور مضامین و مقالات نہ بھی ہوتے۔ تو یہی ایک مضمون مولانا شہیدؒ کے متعلق کافی ہے لیکن اس کے باوصف مولانا محمد ازہر صاحب مدیر الخیر ملتان مولانا مسعود اظہر اور مفتی جمیل خان کے مضامین انتہائی اہمیت کے حامل ہیں بہر حال زیر تبصرہ الرشید کا یہ خصوصی نمبر دیگر نمبرات کی طرح ایک تاریخی دستاویز ہے اور سیر و سوانح اور تاریخ کے ساتھ دلچسپی رکھنے والوں کے لئے سرعہ بصرت افروز ہے۔ آخر میں ہم محترم مدیر صاحب کو اس بھر پور تاریخی دستاویزی نمبر نکالنے پر دل کی گہرائیوں سے ہدیہ تبرک پیش کرتے ہیں۔

GO ANYWHERE
YOU WANT TO

GO

SOHRAB

MOUNTAIN BIKE
OVAL SHAPE
24" & 26" Size

CYCLING REDUCES POLLUTION

◆ MULTI SPEED GEARS
◆ SPECIAL SIZE TYRES
◆ IMPORTED BRAKES

PAKISTAN'S NO.1 BICYCLE

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

صاف اور صحّت بخش خون ہی
انسان کی اچھی صحّت کا ضامن ہوتا ہے۔

خون میں فاسد مادّوں کی پیدائش سے پھوڑے پھنسیاں،
خارش، دانے اور مہاسے وغیرہ جسم پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔

ہمدرد کی صافی خون کو صاف اور صحّت مند رکھتی ہے۔

صافی کا باقاعدہ استعمال جلدی بیماریوں
سے محفوظ رہنے اور خون کی صفائی کا مفید ذریعہ ہے

جڑی بوٹیوں سے
تیار شدہ

صافی

خون صاف
چہرہ شاداب

ہمدرد